سنیعہ مرزا

تیری بانہوں کی شامیں تیری بانہوں کا سہارا

digest novels lovers group ❤❤

سورج سفر کرتا کرتا ہریالی سے لہلہاتی بستی کے قرب و جوار میں آ رہا تھا۔ کھیتوں کے بیچوں بیچ بنی کچی سڑک کے آخری دہانے پر شان و شوکت سے قائم سفید رنگ کی عمارت، جو شاہ حویلی کے فارم ہاؤس کی حیثیت سے جانی جاتی تھی کی کھڑکیوں پر کرنوں نے دستک دینا شروع کر دی تھی۔ مرغ کی بانگ اب چڑیوں کی چہچہاہٹ میں بدل گئی تھی۔

یہ فارم ہاؤس کا بیڈروم تھا۔ جس کی کھڑکیوں پر پڑنے والی کرنیں اندر سے آتی سسکیاں سن رہی تھیں۔

وہ نسوانی سسکیاں ابھرتی اور ڈوبتی رہی تھیں۔

اندرونی منظر سے قطع نظر بیرونی منظر اتنا ہی آباد اور چمک دار تھا جتنا کہ اندرونی منظر ویران۔

سورج فارم ہاؤس کو مکمل طور پر چمکانے لگا۔ صبح ہو رہی تھی۔

☆☆☆

شاہ بنگلے کے وسیع و عریض لان میں رفاقت شاہ سفید کلف زدہ سوٹ میں ٹھاٹھ سے بیٹھے تھے۔ دائیں طرف گن مین چوکنا تھا۔ حق نواز اور رب نواز دونوں سامنے کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ دونوں ان کے

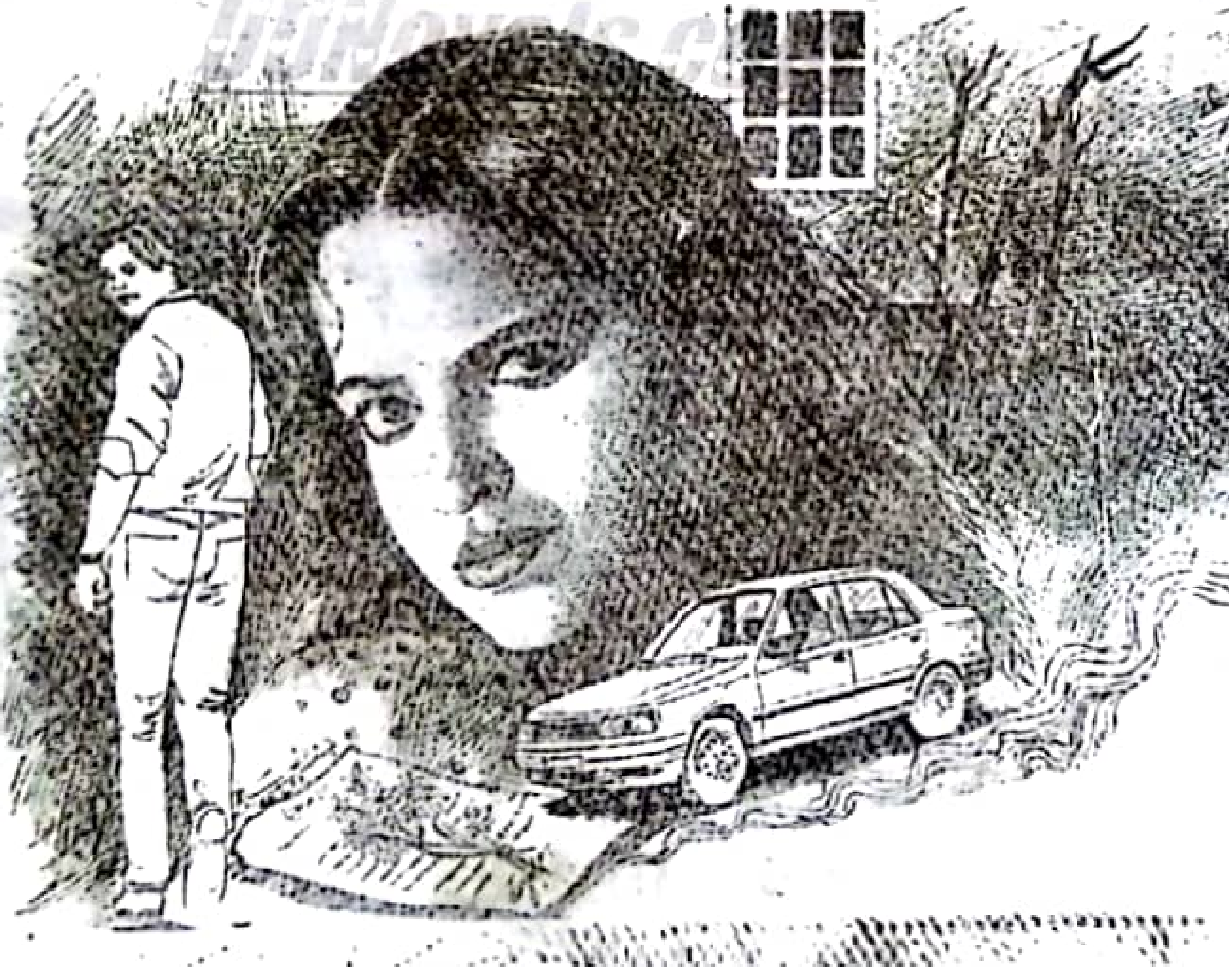

فرماں برداری خادمین تھے۔ ملازم چائے کے کپ لیے حاضر ہوا اور کپ ٹیبل پر چن کر رخصت ہو گیا۔

"بس انتظامات کچھ ایسے ہوں کہ اواب شاہ یہاں آکر خوش ہو جائے۔ اس کا جی باغ باغ ہو جائے اپنے بابا کی شہرت کا سن کر۔" وہ چائے کی چسکی لگا کر بولے۔ ان کے وجود میں سفید کلف زدہ سوٹ سے زیادہ کلف لگی ہوئی تھی۔

"جی سائیں! آپ فکر ہی نہ کرو۔" حق نواز نے مودبانہ کہا۔

"جو حکم سرکار کا۔" رب نواز نے بھی چاپلوسی کی۔

"ہاہاہا......" فخر و غرور سے قہقہہ لگا کر رفاقت

ناولٹ

ڈائجسٹ ناولز لورز گروپ

شاہ بقیہ چائے حلق میں اتارنے لگے۔

"سائیں! اواب بابو کو یقین ہی نہیں آئے گا کہ یہ وہ ہی گاؤں ہے جسے وہ چھ سال پہلے چھوڑ کر گئے تھے۔" حق نواز نے کہا۔

"سائیں! میں تو کہتا ہوں وہ جو پرائمری اسکول بند پڑا ہے نا اس کی عمارت کا حلیہ بدل کر وہاں استانیاں بلوا کے کلاسیں کھول دی جائیں۔ اواب بابو بہت خوش ہوں گے کہ گاؤں کی بچیاں تعلیم بھی حاصل کر رہی ہیں۔" رب نواز نے حق نواز سے سبقت لے جانے کی کوشش میں آئیڈیا پیش کیا۔

"ہاں رب نواز! بات تو تو نے سولہ آنے ٹھیک کہی۔" رقابت شاہ متاثر ہونے لگے۔

"سائیں! سوچ کیا رہے ہیں؟ حکم کریں غلام کو۔" رب نواز بولا۔

"تو پھر دیر کیسی، تم آج ہی شہر جاؤ اور ای ڈی او صاحب سے پتا کرو کہ اسکول کا اسٹاف حاضری پر کیوں نہیں آ رہا؟"

"جو حکم سائیں کا۔" سینے پر ہاتھ رکھے اس نے ادب سے کہا ہے۔

"ڈرائیور کو ساتھ لے جانا۔ بسوں ویگنوں میں کھپنا نہیں پڑے گا۔" وہ سخاوت سے بولے۔

☆☆☆

"نوری! اے نوری۔" زلیخا نوراں کے اوپر سے کمبل کھینچ کر بولی۔ "اری اٹھ کمبخت۔ دیکھ دن کتنا چڑھ آیا ہے۔ ری نوری!"

زلیخا صحن میں بچھی چارپائی پر سے بستر اکٹھے کر رہی تھی۔ ایک دوسری چارپائی پر سترہ سالہ بیٹی نوراں سو رہی تھی۔ وہ اپنی لمبی چٹیا گردن پر لپیٹے سورج کی کرنوں سے بے خبر گہری نیند میں تھی۔ منہ کھلا ہوا تھا اور اس پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ چٹیا سے نکلے کچھ بالوں نے اس کے ماتھے پر گھونسلہ سا بنا رکھا تھا۔ دودھیا بدن پر میلا کچیلا لباس زیب تن تھا۔

"ارے سوئی رہنے دے بے چاری کو۔ تھک جاتی ہے کام کاج سے۔" مرید دین دودھ کی بالٹیاں لیے اندر داخل ہوا۔

"بک گیا دودھ؟" زلیخا نے کمبل کاندھے پر دھر کر کمرے کی جانب جاتے پوچھا۔

"ہاں بھئی...... سارے کا سارا۔" وہ بان کی ٹوٹی چارپائی پر سوئی نوراں کے قریب بیٹھ کر نقدی گننے لگا۔

"تو پھر مجھے کچھ روپے دے چھوڑ۔ میں اپنی دھی کے لیے بازار سے جوڑا خرید لاؤں گی۔" وہ بھی پاس آ بیٹھی تھی۔

"ری نوری! اٹھ جا، کیا دن چڑھ آیا ہے۔ کام پر بھی جانا ہے۔ اور صھائی (صفائی) بھی کرنے والی پڑی ہے گھر کی۔" وہ پھر سے نوراں کی طرف متوجہ ہوئی۔

نوراں آنکھیں ملتی ہوئی جمائی لے کر اٹھ بیٹھی۔ پاس بیٹھے مرید دین کو دیکھ کر وہ جلدی سے سر پر دوپٹا اوڑھنے لگی۔

"میری دھی رانی!" مرید دین نے اسے پچکارا۔

"ابا! لسی لاؤں تمہارے لیے؟" وہ ادب سے دیہاتی لہجے میں بولی۔ مرید دین نے سر ہلایا تھا۔ نوراں صحن کے کنارے پر بنے چھپر کے نیچے کچن سے لسی لینے اٹھی۔

☆☆☆

عصر کا وقت ہو رہا تھا۔ شاہ بنگلے پر پھیکی ہوتی شام کی دھوپ پھیلی تھی۔ لاؤنج میں آمنہ بیگم دیوان پر براجمان تھیں۔ زلیخاں آمنہ بیگم کے کندھے دبا رہی تھی۔ ان کے ہاتھ تسبیح پھیر رہے تھے۔ نوراں جھاڑ پونچھ کر رہی تھی۔ وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔

"زلیخا! آج کام ختم کر کے تو میرے پاس آنا۔ تجھے اواب شاہ کے کمرے کی چابیاں دوں گی اس کے کمرے کی اچھی طرح صفائی کر دینا۔ دیکھنا کہیں کوئی گرد نظر نہ آئے کمرے میں۔"

"جی اچھا بی بی جی!" زلیخاں نے آمنہ بیگم کو مودبانہ جواب دیا۔

digest novels lovers group

"بی بی جی! چند لمحے توقف کے بعد زلیخا پھر بولی۔

"بول؟" آمنہ بیگم تسبیح میں مگن تھیں۔

"آج ہی آنا ہے اواب سائیں نے؟" زلیخا نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ارے نہیں۔ بس یہ سمجھو کہ آج کل میں ہی جب اسے چھٹی مل گئی وہ فوراً آجائے گا۔" وہ محبت سے بیٹے کا تذکرہ کرنے لگیں۔

"کتنے بدل گئے ہوں گے جی...... جب وہ گئے تھے جی، مجھے آج بھی وہ وقت یاد ہے، آپ کتنا روئی تھیں۔" وہ ماضی دہرا رہی تھی۔

"ہاں دیکھ لو چھ سات سال پر لگا کر اڑ گئے۔ ادھر وہ بھی ہم سب کی جدائی میں دن گن گن کر کاٹ رہا ہے۔ ادھر ہم بے حال ہو رہے ہیں۔ اس کے بابا تو اتنے فکر مند ہیں اس کے بارے میں کہ بس اسے گاؤں کا ماحول پسند آجائے۔ کہیں کوئی گندگی نہ ہو۔ امریکا والے بہت صفائی رکھتے ہیں نا۔"

"بی بی جی! امریکا میں بھی پنڈ ہوتے ہیں کیا؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ارے پگلی! ہوتے ہی ہوں گے میں بھلا گئی ہوں کیا؟ ایسا کر تو جا کے لسی بنا لا میرے لیے۔"

وہ اس کی باتوں سے اکتا کر ہنستے ہوئے بولیں۔

☆☆☆

زلیخا اور نوراں اواب شاہ کا بیڈ روم صاف کر رہی تھیں۔ نوراں سفید ماربل کے فرش پر لیٹ کر پوچا لگا رہی تھی۔ دوپٹا اس نے جسم پر اچھی طرح اوڑھا ہوا تھا۔ زلیخاں کھڑکیوں کے شیشے جھاڑ رہی تھی۔

"بہت اچھا بچہ ہے ان کا۔" زلیخا اواب شاہ کو سراہنے لگی۔

"اے اماں! تجھے کچھ جیادہ (زیادہ) ہی بھا گیا۔ سویرے سے تو اس کے گیت گا رہی ہے۔" نوراں چڑ کر بولی۔

"ری نوری! جو اچھا ہو سب اس کے گیت گاتے ہیں۔ تو جھاڑو لگا باہر سے میں دیکھوں کوئی برتن تو نئی دھونے والا۔"

وہ کہتے ہوئے باہر چلی گئی تھی۔ نوراں کمرے کو حسرت سے دیکھنے لگی۔ شاہانہ انداز میں سیٹ کیا ہوا کمرا وہ بہت رشک سے دیکھ رہی تھی۔

کمرا صاف کرنے کے بعد وہ اواب شاہ کی اسٹڈی کی طرف آگئی تھی۔ زلیخا برتن دھو کر اس کے ساتھ لگ گئی۔ زلیخا نے دیواریں صاف کیں اور نوراں کتابوں کی الماریاں جھاڑنے لگی۔

"اماں...... یہ انگریجی (انگریزی) لکھی ہے؟"

"میں تو جیسے سولہ جماعتیں پڑھی ہوں۔ مجھے کیا کھبر۔ بڑا پڑھاکو ہے اواب سائیں، ولایت بھی پڑھنے گیا ہے۔ یہ اسی کی کتابیں ہیں۔ رکھ دے...... خراب نہ کر۔"

زلیخا نے تنبیہ کی۔ وہ ہنوز صفحے پلٹ رہی تھی۔

"کتنا مشکل ہوگا نا پڑھنا۔ ادھر پنڈ میں تو کوئی کڑی نی پڑھتی۔" کتاب دیکھتے وہ اشتیاق سے کہہ رہی تھی۔

"اے...... کیا کر رہی ہے؟ رکھ ادھر اس کو۔" پیچھے سے فائق شاہ مونچھوں کو تاؤ دیتے کاٹن کے شلوار قمیص میں سیاہ چپل پاؤں میں گھسیٹتا اندر آیا تھا۔

نوراں یکدم گھبرا گئی تھی۔ کتاب اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اس نے جلدی سے کتاب اٹھا کر واپس رکھی تھی اور جھاڑ پونچھ شروع کر دی۔ وہ خوف سے کانپ بھی رہی تھی۔ فائق شاہ کی نظریں اس کے کپکپاتے وجود پر بھٹک رہی تھیں۔

"اے...... تو کیا کر رہی ہے؟ سردائی بنوا کے لا میرے لیے۔" اس نے زلیخا کو حاکمانہ انداز میں کمرے سے نکالا۔ نوراں مزید خوف زدہ ہو گئی تھی۔

"کیا کر رہی ہے؟" وہ اس کے نسبتاً قریب

آتے بولا۔ اپنے رعب کی وجہ سے وہ گھبرائی ہوئی نوراں کو دیکھ کر اور محظوظ ہوا۔

''وہ جی...... مٹھائی (صفائی) کر رہی تھی۔''

''پیلا رنگ بڑا پسند ہے تجھے؟'' وہ چند قدم مزید آگے بڑھا اور اس کے سوٹ کا جائزہ لے کر بولا۔

''جی...... نہیں جی!'' وہ کانپ رہی تھی۔ اور کام تیزی سے نپٹا رہی تھی تاکہ باہر جا سکے۔

''آٹھ دن سے یہی جوڑا پہنا ہے اس لیے کہہ رہا ہوں سورج مکھی!'' وہ اس کے دامن کے کنارے کو چھو کر بولا، وہ گھبرا کر دور ہٹی۔ اتنے میں زلیخا سردائی لے آئی۔

''لیں صاحب جی!''

''بڑی تیز گام گڈی ہے تو، پانچ منٹ میں سردائی لے آئی۔'' وہ گلاس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

زلیخا چند لمحے انتظار کے بعد گلاس پاس ٹیبل پر رکھ کر نوراں کو چلنے کا اشارہ کر کے باہر نکل گئی۔ نوراں بھی تیزی سے اس کی اوٹ میں باہر آ گئی تھی۔ وہ گلاس ہونٹوں سے لگائے تیکھی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

رفاقت شاہ رب نواز اور حق نواز کے ہمراہ اسکول کا جائزہ لے رہے تھے۔ اسکول کی عمارت کافی بوسیدہ اور خستہ تھی۔ اس کے مین گیٹ سے کتے اندر آ جا رہے تھے۔ اطراف میں کھیت تھے۔

وہ تینوں گاؤں کی ٹوٹی سڑک پر کھڑی جیپ کے قریب کھڑے تبصرہ کر رہے تھے۔

''ہاں! بس ٹھیک ہے۔ کل سے کلاسیں شروع کرواؤ۔ بچیوں کو آمادہ کرو۔ کچھ عورتوں کو گھروں میں بھیجو تاکہ وہ انہیں بچیوں کی پڑھائی پر آمادہ کریں!''

''جی سائیں۔ جیسے آپ کا حکم۔'' حق نواز نے تائید کی۔

''سائیں! تنخواہ وغیرہ کا حساب کتاب؟'' رب نواز نے پوچھا۔

''ہاں ہاں...... جب تک گورنمنٹ اسکول کے متعلق بات نہیں بنتی تب تک تنخواہیں میں خود بھروں گا۔ آخر اواب شاہ کے لیے کچھ نہ کچھ تو خرچ کرنا پڑے گا نا۔ میرا ہونہار پتر۔'' وہ گردن کو مزید اکڑا کر بولے۔

''جی سائیں بے شک۔'' دونوں چیلوں نے چاپلوسی کی۔

''تو کل شہر جا کر ای ڈی او صاحب سے پھر مل۔'' بتا کر کیوں معاملہ لٹکایا ہوا ہے۔ وہ کہہ کر سگریٹ کے کش لگانے لگے۔ ''مجھے بھی کل شہر جانا ہے۔ رب نواز کل آ رہا ہے۔''

دوسرے دن پوری حویلی میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ اواب شاہ پڑھائی مکمل کر کے اپنے ملک میں واپس آ رہا تھا۔

''جب میرا اواب شاہ اس زمین پر قدم رکھے تو اس کے بازو پر یہ تعویذ باندھ دیجیے گا۔ اللہ اسے اپنے امان میں رکھے۔''

آمنہ بیگم نے تعویذ چوم کر رفاقت شاہ کی طرف بڑھایا۔ جو اس وقت اواب شاہ کو لینے ایئرپورٹ شہر جا رہے تھے۔

''آمنہ بیگم فکر مت کرو۔ سب خیر ہو گی۔ مٹھائی کا آرڈر دیا ہے ہمارے آنے سے پہلے پورے گاؤں میں مٹھائی تقسیم کروا دینا۔'' رفاقت شاہ بہت مسرور لگ رہے تھے۔

''آپ تو کل دوپہر کو ہی واپس آئیں گے نا؟''

''ہاں ظاہر ہے رات ایک بجے کی فلائٹ ہے۔'' وہ کہتے ہوئے گاڑی میں بیٹھے تھے۔

''خیر سے جائیے خیر سے آئیے۔'' وہ گاڑی کی طرف دیکھنے لگیں۔

رفاقت شاہ ڈرائیور اور گن مین کے ہمراہ گیٹ سے نکل چکے تھے۔ گاڑی دھول اڑاتی شہر کی جانب

digest novels lovers group

روانہ ہوگئی۔ چوکیدار نے شاہ بنگلے کا قد آور سیاہ آہنی گیٹ بند کر دیا تھا۔ آمنہ بیگم آنکھیں چندھیاتی دھوپ میں روش پر چلتے ہوئے عمارت کی طرف بڑھیں۔

☆☆☆

''چلے گئے بابا سائیں؟'' فائق شاہ نے آئینے کے آگے اپنا روپ دیکھتے ہوئے بالوں میں معمول سے زیادہ تیل گھساتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں چلے گئے۔'' آمنہ بیگم لاؤنج میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ڈرائیور کو بھیج دیتے۔ خود کیوں اتنے تردد میں پڑے، آنا تو اس نے گھر ہی تھا نا۔'' وہ دیہاتی لہجے میں اپنے اکھڑ مزاج سے بولا۔

''ارے، میرا تو اپنا بس نہیں چلتا اڑ کے ایئرپورٹ پہنچ جاؤں۔ رات ایک بجے جب وہ اس پاک سرزمین پر قدم رکھے تو اس کی ڈھیروں بلائیں لوں۔'' وہ محبت سے کہہ رہی تھیں۔

''لے...... اماں تو بھی کھسکی ہوئی ہے، بابا سائیں کی طرح۔'' وہ طنزیہ کہتا بالوں کی لٹیں ماتھے پر بکھیر کر باہر نکل گیا۔

آمنہ بیگم اس کی گستاخیوں پر ہمیشہ کی طرح سر جھٹک کر اواب کو یاد کرنے لگ گئیں۔

''بی بی جی...... اب ہم کو جانا ہے جی...... سارا کام کھتم (ختم) ہوگیا۔ مٹھائی بھی۔ کپڑے بھی...... برتن بھی۔'' زلیخا تندہی سے انہیں بتا کر جانے کی تیاری میں تھی۔ نوراں بھی سہمی سمٹی اس کے دائیں طرف کھڑی تھی۔

آمنہ بیگم لان کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے چائے پی رہی تھیں۔

''چلو ٹھیک ہے جاؤ۔''

وہ دونوں ماں بیٹی لان سے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے گیٹ کی طرف جا رہی تھیں۔ مغرب ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔

گیٹ کے بغلی دروازے سے زلیخا نے قدم باہر رکھا تو فائق شاہ نوراں کے سامنے تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ قدم گیٹ کے اندر رکھتا نوراں تیزی سے زلیخا کا پیچھا کرتی سہمی ہوئی باہر نکلی اور اس کے پیچھے تیز تیز چلتی گئی۔

☆☆☆

آج تو بوہت تھک گئی میں نوری! گھر جا کے میرے کو دبا کے سونا۔'' وہ دیہاتی لہجے میں گفتگو کرتی جا رہی تھیں۔

''تیرے کو کس نے کہا تھا آج ای کام جھٹر۔'' نوراں لاپروا انداز میں اپنی لمبے پراندے کی چٹیا کو گھماتی جا رہی تھی۔

''ری پگلی...... آمنہ بی بی کو کھوس (خوش) بھی کرنا تھا نا...... اواب سائیں کی کھاطر (خاطر) وہ چاہتی تھیں گھر تاروں طرح چمکے۔'' وہ ہاتھ کے اشارے سے وضاحت کر کے بولی۔

''امریکا میں بوہت مٹھائی ہوگی نا......'' نوراں نے تصور میں امریکا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''رات کو آجائے گا نا ان کا پتر؟'' وہ دونوں کھیت کے قریب سے اپنے گھر کو جانے والی پگڈنڈی پر ہولیں۔

''ہاں آجائے گا۔'' زلیخا نے ماتھے سے پسینہ پونچھ کر کہا۔

''اتنے میں عقب سے ان پر نگی چار آنکھیں کھیتوں سے نکل کر ان کے سامنے آگئیں۔ ان کے پاس اسلحہ بھی تھا۔

''ہائے میں مرگئی۔''

''اماں!''

زلیخا اور نوراں بیک وقت چیخیں۔

اتنے میں جیپ تیزی سے بریک لگاتے رکی۔ دو گن بردار نے نوراں، زلیخا کو جیپ کی پچھلی سیٹوں پر پھینکا اور چھلانگ لگا کر اگلی سیٹوں پر سوار ہوتے جیپ بھگا لے گئے۔ نوراں اور زلیخا کی چیخ و پکار ہوائی فائرنگ میں دب کر رہ گئی تھیں۔

پھر ان دونوں تینوں نے نوراں اور زلیخا کو

فارم ہاؤس پھینکا تھا۔ ان کے ہاتھ پیچھے کو باندھ دیے گئے تھے، وہ بے چارگی سے بندھے منہ کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں اور ماہی بے آب کی طرح تڑپ تڑپ کر ہاتھ پاؤں چھڑوانے کی کوشش میں تھیں کہ اتنے میں گن مین نوراں کو بالوں سے گھسیٹتا باہر لے گیا۔ دونوں پھٹی ہوئی آنکھوں اور پھنسی ہوئی چیخ و پکار سے ایک دوسرے کو دور جاتا دیکھ رہی تھیں۔

نوراں کو جس کمرے میں لے جایا گیا تھا وہاں ہر چیز پیلی معلوم ہوتی تھی کوئی لائٹ نہیں جل رہی تھی ماسوائے کینڈل اسٹینڈ پر لگی موم بتیوں کے جو بیڈ کی سائڈ ٹیبل پر رکھا تھا۔

فائق شاہ کمرے میں داخل ہوا اور اس نے ہولے ہولے اس کے بندھے ہاتھ کھولے پھر پاؤں کی رسی کھولی تھی نوراں نے ہاتھ کھلتے ہی اپنے جسم کو ڈھانپنا چاہا تھا۔ نوراں کی دودھیا رنگت فائق شاہ کے اندر کے وحشی کو بری بیری طرح جگا رہی تھی۔

صبح جب ہوئی تو گئی۔ فارم ہاؤس کے بیڈ روم کی کھڑکی سے صبح کی سفید روشنی اندر آرہی تھی۔ بیڈ کی پائنتی سے لگی نوراں کارپٹ پر گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی خاموشی کی فضا اس کی سسکیوں کو سن رہی تھی۔

☆☆☆

آدھی رات ہونے کو آئی تھی مرید دین جلے پاؤں کی مانند صحن کے چکر کاٹ رہا تھا۔ سناٹا تھا چاروں اور۔

"جانے کدھر پھنس گئی ہیں یہ ماں بیٹی، آدھی رات ہوگئی ہے اور گھر نی پہنچی۔" وہ خود کلامی کررہا تھا۔

آسمان پر تیزی سے جہاز کے گرنے کی آواز نے اسے چونکایا۔

"ہوسکتا ہے اواب سائیں کے آنے کی وجہ سے کم جیادہ ہو تو پھضول میں فکر کرتا ہے مریدا!" جہاز نے اس کا دھیان دوسری طرف لگا دیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو مطمئن کرتا۔ چارپائی پر لیٹ گیا اور جانے کس وقت نیند نے اسے آگھیرا۔

صبح مرید دین کے کچے صحن میں دھوپ کی کرنیں پھیلیں تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ پاؤں میں جوتا گھسیٹتے ہوئے اٹھا تو اس کی نظر قریب کی خالی چارپائیوں پر پڑی۔

"ارے...... ابھی تک نی آئیں جلیاں اور نوری؟" وہ خود کلامی کرتے ہوئے تیزی سے جوتا پہنتے ہوئے پریشان ہو کر دروازے کی طرف لپکا۔

☆☆☆

شاہ بنگلے میں آج پررونق دوپہر تھی۔ لنچ ہو رہا تھا۔ سب فیملی ممبرز خوش گوار موڈ میں کھانا کھا رہے تھے۔

"اواب! سوہنے پتر! یہ کھیر تو لو تا میں نے خود بنائی ہے تیرے لیے۔" آمنہ بیگم کھیر اواب کی طرف بڑھا کر بولیں۔

"اوہو...... اٹس نو ہیوی، آئی ڈونٹ لائک اٹ۔" وہ کھیر کو دیکھ کر بولا۔

"پتر! ہمیں انگریزی کے ساتھ ساتھ ترجمہ بھی کرکے سنا دیا کر، بھئی، ہم سب تو امریکا سے نہیں آئے نا۔" رفاقت شاہ نے لاڈ سے کہا۔

"یہ بھی کوئی شاہ جدی پشتی امریکی تو نہیں ہے ادھر سے ہی گیا ہے نا!" فائق نے اسے خاطر میں نہ لانے والے انداز میں رفاقت شاہ سے کہا۔ اواب خاموش ہو گیا۔

"اماں جان! پلیز ڈونٹ مائنڈ۔ مجھے کھیر پسند نہیں ہے۔" اس نے پھر سے آمنہ بیگم کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ تمہیں جو کھانا ہو بتا دینا میں تمہارے کھانے کے لیے وہی کچھ بنوا دیا کروں گی خاص طور پر۔" وہ خوش دلی سے بولیں۔

اتنے میں مرید دین ہانپتا ہوا اندر آیا۔ وہ بہت پریشان دکھ رہا تھا۔

"بیگم صاہا (صاحبہ)! وہ...... وہ...... جلیئی اور

digest novels lovers group

نوراں ابھی تک گھر نی (نہیں) آئی......ان کو چھٹی نی ملی کیا؟" وہ دیہاتی انداز میں آمنہ بیگم سے مخاطب تھا۔

"مرید دین......وہ......وہ تو شاید چھٹی کر گئی تھیں۔" آمنہ بیگم نے تشویش سے جواب دیا۔

"پر......بیگم صاب......گھر نی آئیں وہ......کدھر چلی گئیں۔" وہ با آواز بلند گویا تھا۔ اواب شاہ نے اس کے خستہ حلیے کو سرتاپا دیکھا۔

مرید دین کی آواز بلند ہوتی دیکھ کر فائق شاہ اپنی کرسی پیچھے دھکیلتے ہوئے اس کی طرف بڑھا تھا۔ سب کی نظریں فائق شاہ پر تھیں۔

"تجھے تمیز نہیں ہے گھر کے اندر آنے کی؟ دفع ہو جا باہر۔" اس نے مرید دین کو گریبان سے کھینچ کر پٹخا۔

"جو بات ہے جا کے ملازموں سے پوچھ لو باہر۔" رفاقت شاہ نے فائق شاہ کے غصے کو دیکھتے ہوئے مرید دن کو باہر جانے کو کہا۔

مرید ین کے چہرے پر فائق شاہ کی بے عزتی سے زیادہ نوراں اور زلیخا کی فکر جھلک رہی تھی۔ وہ ہاتھ باندھے سیدھا ہوا تھا۔

"جا دفع ہو باہر۔" فائق پھر سے دھاڑا۔

مرید دن آنکھوں میں آنسو لیے باہر نکلا تھا۔

گھر پہنچا تو نوراں اور زلیخا گھر لوٹ چکی تھیں۔ ان کی حالت بتا رہی تھی کہ ان پر کیا ستم ٹوٹا تھا۔

☆☆☆

"عزت واپس دو......انصاف دو۔"

"نہیں تو بنگلے کو آگ لگا دیں گے۔"

"مرید دین اپنی دھی کے ساتھ جل مرے گا۔"

چند آوازیں کھڑکی کے اس پار ہجوم بنا رہی تھیں۔ گیارہ بج رہے تھے صبح کے چڑھتے سورج نے اواب شاہ کو بیدار نہیں کیا تھا۔ مگر اس ہجوم اور ہنگامے نے اس کی نیند توڑ دی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے وہ اٹھ بیٹھا۔ مگر شور و غل کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ کچھ دیر بعد باہر سے ہونے والے پتھراؤ سے کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ گیا تھا۔ چند کرچیاں اواب کے سائیڈ ٹیبل پر پڑے سیل فون کے اردگرد گری تھیں۔ وہ پریشانی سے اٹھ گیا۔

"یہ شور کیسا ہے اماں جان؟" وہ ٹراؤزر شرٹ میں آنکھیں ملتا ہوا لاؤنج میں اترنے والی سیڑھیوں سے آتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"کچھ نہیں بیٹا......بس وہ...... یونہی گاؤں کے لوگوں کو شوق چڑھا ہے ہنگامے کا۔" وہ معاملہ چھپانے کی کوشش کرنے لگیں۔

"ہنگامہ......لیکن کیوں؟" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"نوراں کی عزت سارے گاؤں کی عزت ہے۔" باہر سے ایک اور آواز ان دونوں کے کانوں میں پڑی تھی۔ اواب نے آمنہ بیگم کو دیکھا۔ انہوں نے نظریں چرا لیں۔

"بس یونہی جب تک ان کے جائز ناجائز مطالبات پورے ہوتے ہیں یہ خوش ہیں ورنہ...... یہی کچھ کرتے ہیں۔ تمہارے لیے ناشتا لگواتی ہوں۔ تم نہا دھو لو۔" آمنہ بیگم کہتے ہوئے کچن میں جانے لگیں۔

اواب انہیں دیکھتا رہا اور باہر سے آنے والی آوازوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔

"بند کرو یہ ظلم۔"

"مزارعے کی عزت پورے گاؤں کی عزت ہے۔"

☆☆☆

شاہ بنگلے میں ڈنر ہو رہا تھا۔

"بابا جان! یہ مرید دین والے معاملے کا نوٹس لیا آپ نے؟" اواب شاہ نے چاول پلیٹ میں نکالتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ اس کے سوال پر میز پر بیٹھے تمام لوگوں کو چپ لگ گئی تھی۔

"ہاں...... ہاں مجھے معلوم ہے۔ ارے بابا لے لوں گا۔ نوٹس ووٹس بھی۔ تم بتاؤ تمہیں گاؤں کیسا لگا؟ خوش ہوئے اپنے بابا کی ترقی دیکھ کر؟" رفاقت

شاہ نے موضوع بدلا۔
وہ آج اسے تمام گاؤں میں کی گئی نام نہاد تبدیلیاں دکھا کر لوٹے تھے۔ جو خاص اس کی آمد سے قبل کی گئی تھیں۔ پورا خاندان اواب شاہ کی ذہانت سے متاثر تھا۔ سب اس امریکی بابو کا بے صبری سے انتظار کر رہے تھے اور رفاقت شاہ کی گردن میں کلف مزید بھر گیا تھا۔ وہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ اواب شاہ کو گاؤں میں کوئی کمی پیشی نظر آئے۔
جی...... جی بالکل...... اگر یہی صورت حال رہی تو گاؤں بہت جلد ترقی کر جائے گا۔ بابا جان...... مجھے تو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی جگہ ہے۔ سڑکیں ٹوٹی پھوٹی کنویں اور اسکول...... کھلی ہوئی فصلیں...... اور تو اور صحت کا جدید مرکز آپ نے کمال کر دیا بابا جان۔'' رفاقت شاہ اس کا دھیان بٹانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔
''بابا جان تو ہمیشہ ہی اعلا رہے ہیں۔'' فائق شاہ نے چپاتی کا نوالہ بناتے ہوئے خوشامد کی۔
رفاقت شاہ نے جاگیردارانہ قہقہہ لگایا تھا۔
☆☆☆
''میں تو جیتے جی مارا گیا صاب...... ماڑی عجت لٹیے بنا بنا کے کھا گیا وہ شاہوں کا پتر...... گریب جندگی بھی کوئی جندگی ہے۔''
مرید دین آٹھ آٹھ آنسو رو رہا تھا۔ زلیخا بھی سسک رہی تھی۔
اواب شاہ ابھی اس منظر کے سحر سے آزاد نہیں ہوا تھا جب وہ مرید دین کا دروازہ کھٹکٹا تھا نوراں دروازے کے پاس گئی۔ مرید دین نے دروازہ کھولا تو اواب شاہ پر نظر پڑتے ہی وہ چیختی چلاتی کمرے کی طرف بھاگ گئی۔
اواب شاہ آنکھوں سے سن گلاسز اتارتے ہوئے اجازت طلب کر کے اندر داخل ہوا تھا۔ نوراں کی ہذیانی کیفیت کو وہ سمجھ سکتا تھا کہ وہ کس ذہنی کرائسز سے گزر رہی ہوگی۔ اس سے زیادہ اسے شاک معاملہ جان کر لگا تھا۔ کہ فائق شاہ اس کی غیر موجودگی میں کیا گل کھلا رہا تھا۔ اور گھر والے سب جاننے کے باوجود بھی اس پر پردہ پوشی کر رہے تھے۔ اور کوئی مرید دین کی بات سننے کو تیار نہ تھا۔ حالانکہ وہ تو بنگلے کا بہت پرانا ملازم تھا۔ جبکہ بابا جان تو بہت انصاف پسند آدمی تھے۔ وہ تو گاؤں والوں سے بہت مخلص تھے۔ وہ تو حقوق کی فراہمی کے لیے دن رات کوشاں تھے۔ اور اماں جان...... وہ بھی اصل معاملہ نہیں بتا رہی تھیں۔ بابا کے تمام ملازمین اواب شاہ سے معاملہ چھپا رہے تھے کیوں؟ کیا وہ سب اواب پر فائق شاہ کی حقیقت نہیں کھولنا چاہتے تھے؟ مگر فائق شاہ سے اتنی ہمدردی کیوں؟ اتنے بڑے گناہ اور ظلم کے باوجود؟ اماں جان تو صوم صلوٰۃ کی پابند تھیں۔ وہ بھی فائق شاہ سے نالاں نہیں تھیں۔ شاہ بنگلے کے لوگوں کے لیے تو جیسے یہ معاملہ...... یہ معاملہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔
''صاب! اس دن سے نوراں کی بری حالت ہے صاب...... نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے۔ بکھار میں تپ رہی ہے۔
اواب نے ٹوٹے پھوٹے مکان کے اس بوسیدہ کمرے کو دیکھا جہاں سے نوراں کے کپکپانے کی آوازیں بخوبی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ بان کی ٹوٹی چارپائی پر بیٹھا مرید دین کی دادرسی کر رہا تھا۔
''یہ کچھ رقم لو مرید دین...... تمہاری بیٹی کے علاج کے کام آئے گی۔'' اس نے نوٹوں کو اس کی طرف بڑھایا تھا۔
''نہ صاب...... نہ، مارے کو عجت کا سودا نہیں چاہیے صاب۔ مارے کو انصاپھ (انصاف) چاہیے صاب!'' مرید دین اس کے قدموں میں گر کر گڑگڑانے لگا تھا۔
''ارے نہیں مرید دین...... میں کوئی سودا نہیں کر رہا۔ یہ تو صرف تمہاری بیٹی کے علاج معالجے کے لیے ہیں۔''
وہ شرمندگی سے اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اور اس کے بندھے ہاتھوں کو تھام لیا۔ زلیخا

digest novels lovers group

پھٹی آنکھوں سے اتنے سارے پیسوں کو دیکھ رہی تھی۔

"صاب! علاج کرا کے کیا کریں گے؟" بھلا ہے کہ ہم سب کو موت آجائے۔ انصاف تو نہیں ملنے کا۔"

"ارے نہیں نہیں ...... تم فکر مت کرو۔ میں تمہاری پوری مدد کروں گا اور تمہارے لیے جو ہو سکا کروں گا۔ بابا جان سے بات کروں گا وہ یقیناً میری بات دھیان سے سنیں گے۔ یو ڈونٹ وری۔" وہ کہہ کر چلا گیا تھا۔ اس کی گاڑی زناٹے سے نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔

اور گاڑی کی آواز نوراں کے اعصاب پر سوار ہوگئی تھی۔ وہ خوف سے پھر چیخنے چلانے لگی تھی۔ اسے فائق کے آدمیوں کے اغوا کا منظر یاد آنے لگا تھا۔ وہ پھر سے بہت خوف زدہ ہوگئی تھی۔ زلیخا اسے نارمل کرنے کی کوششیں کرنے لگی۔

☆☆☆

"بابا جان! پہلے گاؤں کی بیٹیوں کو عزت تو دے لیجیے پھر جوان کا بنیادی حق ہے پھر تعلیم بھی دے لیجیے گا۔"

رات کے کھانے کا وقت تھا اور اواب کی باتوں نے شاہ فیملی کے تمام ممبرز کو چپ سی لگادی تھی۔ بابا جان مسلسل حال ہی میں کھولے جانے والے پرائمری اسکول کی تمہید باندھے جارہے تھے۔

"دیکھو اواب پتر! یہ ہمارا اور گاؤں والوں کا مسئلہ ہے۔ تمہیں اس معاملے میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔" رفاقت شاہ نے دوٹوک انداز میں ہاتھ کھڑا کیا۔

"تو دو مہینے کی چھٹی پر آیا ہے۔ چھٹی گزار اور جا ولایت۔ تجھے کیا معلوم کہ ان کمینوں سے کیسے نپٹنا ہے۔" فائق شاہ بھی اپنے فطری اجڈ لہجے میں نخوت سے بولا۔

"فائق! تم نے گناہ کیا ہے، ظلم کیا ہے۔ اور اس پر ڈھٹائی کا مظاہرہ کررہے ہو۔ تمہیں نوراں سے شادی کر لینی چاہیے۔" وہ اس کے رویے پر مزید شاکڈ تھا۔

اواب شاہ کے آخری جملے پر آمنہ بیگم کے حلق سے "ہائے" برآمد ہوئی تھی۔ فائق شاہ بل کھا کر رہ گیا تھا اور رفاقت شاہ، وہ تو تقریباً کرسی سے اچھلنے کو تھے۔

"تیرا دماغ تو ٹھیک ہے کیا؟ بڑا آیا گاؤں والوں کا حمایتی۔ ارے! یہ سب تو زندگی کا حصہ ہے۔ تیرا کیا خیال ہے؟ جو کمی کمین اٹھ کر زیادتی کا دعویٰ کرے گا۔ اس کی بیٹی کو ہم شاہ بنگلے کی بہو بنا کر لے آئیں گے؟ ارے وہ فائق شاہ ہے...... شاہ بنگلے کا لاڈلا، سید ہے، کسی سیدانی سے شادی کرے گا۔ کمیوں کی لڑکی سے نہیں۔" رفاقت شاہ اواب پر برس رہے تھے۔

فائق شاہ نے اپنے سفید کاٹن کے کلف زدہ سوٹ کے کالر کو ذرا مزید تناؤ دیا۔ مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے وہ کن انکھیوں سے اواب کے تیوروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ آمنہ بیگم نے ماحول کی ناخوشگواری کے علاج کے طور پر آیۃ الکرسی کا ورد زیر لب شروع کردیا تھا۔ رات کا کھانا سب کو منہ چڑھا رہا تھا۔

"بابا جان! اگر یہ سید زادہ کمین کی لڑکی سے رات کے اندھیرے میں ناجائز تعلق قائم کرنا ٹھیک سمجھتا ہے تو پھر دن کی روشنی میں جائز نکاح کرنا ٹھیک کیوں نہیں سمجھتا؟ آپ سب لوگوں سے مجھے اس طرح کے ظلم و زیادتی کی امید نہیں تھی۔" اواب اپنی سعادت مند، نیک فطرت کے باعث برہم تھا۔

"اور ہمیں بھی تم سے یوں فضول مطالبات کی امید نہیں تھی۔ یہ پڑھنے گئے تھے تم امریکا؟ کتنی زمینیں بیچ دیں تیری تعلیم کی خاطر اور یہ ظلم سیکھ کے آیا ہے تو کہ ماں باپ کو سکھانے چلا ہے کہ زندگی کے فیصلے کیا سوچ کر کرتے ہیں؟" رفاقت شاہ باپ ہونے کا احساس دلا رہے تھے۔ اواب شاہ قدرے پرسکون تھا۔

"ہاں بابا جان! تعلیم نے مجھے یہی سکھایا ہے

کہ سب برابر ہیں سید غیر سید سب......کمی کمین بھی۔ اور برائی کا معیار بس تقویٰ ہے میرے نزدیک۔ مرید دین آپ سب سے زیادہ عزت دار ہے جو اپنی عزت کی خاطر آپ جیسے طاقت ور شخص سے ٹکر لے رہا ہے۔ اور افسوس ہے کہ آپ جیسے سیدوں کی سوچ کتنی چھوٹی ہے بابا جان!" وہ شرمندگی سے نظریں جھکا کر بولا آخر سامنے باپ کا وجود تھا۔

"لعنت ہے بھئی، ایسی تعلیم پر جسے حاصل کرنے کے بعد تو اپنے خاندان کی، سیدوں کی لٹیا ڈبو رہا ہے۔" وہ پلیٹ میں چمچہ پٹخ کر اٹھ گئے تھے۔

"اگر یہ آپ کے نزدیک لٹیا ہے بابا جان، تو پھر ایسی لٹیا کو ڈوب ہی دینا چاہیے۔" وہ حقیقت پسندی کی آخری منزل پر تھا۔ ان کو جاتا دیکھ کر اس نے سابقہ اطمینان سے کہا۔

آمنہ بیگم بھی حیرت سے اواب پر ایک خفا سی نظر ڈال کر رفاقت شاہ کے غصے کو ٹھنڈا کرنے ان کے پیچھے گئیں۔ پیچھے بچ جانے والا فائق شاہ بھی کرسی کو ٹھوکر مارتے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا۔

"ہاؤ اسٹرینج" اواب کو حیرت اور پریشانی نے گھیر لیا تھا۔ وہ اصول کی بات کر رہا تھا۔ حق کی بات کر رہا تھا اور سب اسے گناہ گار ٹھہرا کر اٹھ گئے تھے۔

☆☆☆

"صاب! اس کی تو دو مہینے سے یہ حالت ہے۔ نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے، باہر کوئی گڈی گزر جائے تو ڈر کے مارے چیختی ہے۔ بکھار (بخاری) میں تپ رہی ہے آج بھی......آدھی آدھی رات کو ڈر کے مارے اٹھ جاتی ہے۔ بین کرنے لگتی ہے۔" مرید دین روتے ہوئے بیٹی کی حالت بتا رہا تھا۔

"کل تمہارے گھر پر فائرنگ ہوئی تھی؟" اواب شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں صاب......کوئی ادھا گھنٹہ ہوتی رہی تھی۔ عجت تو گئی جناب، اب جان باقی رہ گئی ہے۔ ایسی جندگی سے تو بہتر ہے رفاقت سائیں ہمارے سینوں میں گولیاں مروا دے۔" اس کے بوڑھے چہرے کی جھریوں پر آنسو پھیلنے لگے۔

"صاب! میری دھی مر جائے گی"، زلیخا بھی ہاتھ جوڑے اس کے قدموں کے پاس آ بیٹھی تھی۔ اواب شاہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح سے ان کے دکھ کا مداوا کرے۔ بابا جان اس کی آخری امید تھے مگر اب تو گھر کے ہر فرد نے اس معاملے کی اہمیت سے انکار کر دیا تھا۔

"سائیں......اللہ کا واسطہ ہے ہماری مدد کرو سائیں!" زلیخا سسک رہی تھی۔

"آپ لوگ فکر مت کریں۔ مرید دین، میں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ تمہاری مدد ضرور کروں گا۔ مجھے کچھ سوچنے کے لیے وقت چاہیے، مگر ڈر ہے کہ کہیں زیادہ دیر نہ ہو جائے۔ تمہارے گھر پر ہونے والی فائرنگ اسی بات کا اشارہ ہے تم خوف زدہ ہو جاؤ۔ نہیں تو......بابا......" وہ کچھ تذبذب کے عالم میں بولتے بولتے رک گیا تھا۔

"تو......تو کیا ہوگا صاب جی؟" مرددین مزید فکر مند ہوا تھا۔

اواب نے چند لمحے اس کے کچے ٹوٹے پھوٹے مکان کو دیکھا پھر مرید دین اور زلیخا کے چہروں کو......اور پھر اندر سے آتی نوراں کی سسکیوں کو سنا وہ رفاقت شاہ کے ارادوں سے خوب واقف تھا۔

☆☆☆

اواب شاہ بنگلے کی ٹیرس پر ٹہل رہا تھا۔ رات کے اندھیرے میں اس کی سوچوں پر سورج طلوع ہو رہا تھا۔ سوچوں کے در وا تھے۔ وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ چند لمحے بعد اس کے موبائل کی بیل نے اس کی سوچوں کے تانے بانے کو ادھیڑا۔ کمرے میں آ کر اس نے موبائل کان سے لگا لیا۔

"ہائے! کیسی ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں مگر تم......تم کہاں غائب ہو نہ فون اٹینڈ کرتے ہو نہ آن لائن آ رہے ہو۔" مشعل

digest novels lovers group

کی آواز میں پریشانی تھی۔
"بس کچھ بزی ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔
"مگر اتنی زیادہ مصروفیت خیر تو ہے؟ کہیں شادی تو نہیں کروانے لگ گئے؟"
"مشعل پلیز...... ڈونٹ بی سلی۔" وہ چڑ گیا۔
"تو پھر کہاں گم ہو؟" وہ سنجیدہ ہوئی۔
"سنو! میں تم سے کچھ دیر بعد بات کرتا ہوں۔" اواب نے جیسے پریشانی میں کال منقطع کردی تھی۔
مشعل یونیورسٹی فیلو تھی۔ جسے وہ امریکا میں اپنا انتظار سونپ کر آیا تھا۔ مگر پاکستان میں ایسا الجھا تھا کہ مشعل اور امریکا سب محو ہو گئے تھے۔ وہ اس وقت اتنا پریشان تھا کہ مشعل سے بات نہ کرنے میں عافیت تھی۔

☆☆☆

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟ کیا سوچ کر تم نے یہ فیصلہ کیا ہے؟" رفاقت شاہ آمنہ بیگم کے ہمراہ اس پر برس رہے تھے۔ وہ لان کی کرسیوں پر شام کی چائے کے لیے آبیٹھا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ دونوں اس کے سر پر سوار تھے۔ اواب سے سنا ہوا فیصلہ آمنہ بیگم نے رفاقت شاہ کے گوش گزار کردیا تھا۔ وہ سنتے ہی سیخ پا ہو گئے تھے اواب کو ان کے ایسے ہی ردعمل کی امید تھی۔ وہ اطمینان سے چائے کے سپ لینے لگا۔
"میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" اس کے اطمینان پر انہوں نے مدعا دہرایا۔
"مرید دین اور اس کے گھر والوں کا بھلا سوچ کر۔" اس نے تیز ہوا سے لہراتے لان کے درختوں کو تکا۔
"تم ہوش میں تو ہو اواب شاہ؟"
"بابا! مرید دین اور اس کی بیٹی پورے گاؤں میں بدنام ہو چکے ہیں۔ جس کے قصور وار ہم ہیں کیونکہ فائق شاہ کی اس گھٹیا حرکت کا مداوا نہیں کرسکے اب تک۔"
"بکواس بند کرو...... شرم آرہی ہے مجھے تمہاری سوچ پر...... ایک اعلیٰ خاندان کے تعلیم یافتہ سید زادے ہو کر تم چلے ہو کمینوں کی لڑکی سے شادی کرنے...... اور وہ...... وہ بھی ایسی لڑکی جو داغ زدہ ہے اواب شاہ!" وہ تقریباً چلا رہے تھے۔
"اواب کچھ دیر انہیں غصے میں لال پیلا ہوتے دیکھتا رہا اور پھر اٹھ کر ان کے سامنے آکھڑا ہوا اور نرمی سے کہنے لگا۔
"بابا! سب انسان برابر ہیں۔ ہماری اور ان کی عزت برابر ہے۔ مجھے تو یہ سوچ کر شرم آتی ہے کہ فائق شاہ جیسا بدکردار میرا بھائی ہے۔ اور آپ...... آپ میرے باپ جنہیں کسی کے دکھ درد کا کسی غریب پر ہونے والے ظلم و ناانصافی کا ادراک تک نہیں۔"
"خوب دھول ڈال رہے ہو ہمارے عزت سے اٹے سروں میں...... خوب جگ ہنسائی کرا رہے ہو ہماری عزت کی، خاندانیت کی۔ ارے نسل خراب کرنے جا رہے ہو سیدوں کی۔ کہاں تم؟ کہاں وہ بدبخت۔"
"جسے آپ نسل کا خراب ہونا سمجھتے ہیں بابا جان! وہ تو فائق شاہ نے کردی ہے دو ماہ قبل...... اور اسی نسل اور اسی عزت کو تو بچانے جا رہا ہوں میں۔ اور آپ کا سر ہی تو اونچا کرنے جا رہا ہوں اس سے پہلے کہ مرید دین کی بیٹی کسی سید زادے کی اولاد کو ناجائز طریقے سے جنم دے۔ ایسے وقت کو سنبھالنے ہی تو جا رہا ہوں میں بابا جان!"
وہ آمنہ بیگم اور رفاقت شاہ کو ہونق چھوڑ کر وہاں سے اپنے بیڈروم میں آگیا تھا۔

☆☆☆

گاؤں کی شام تھی اندھیرا کچی بستی پر پھیلا ہوا تھا اور پھیلتا جا رہا تھا۔ کوئی جگہ روشنی دے رہی تھی۔ تو شاہ بنگلے کی عمارت تھی بس۔
مرید دین کے کچے مکان کے باہر اواب شاہ کی گاڑی لائٹیں روشنی دے رہی تھیں۔ وہ ٹوٹے دروازے پر تیز تیز دستک دے رہا تھا کہ ٹوٹی ہوئی

کنڈی خود بخود کھل گئی۔ دروازہ کھلا تو سامنے لالٹین جل رہی تھی جس نے ارد گرد کے منظر کو پیلا کیا ہوا تھا۔ سامنے کمرے کے دروازے سے نکلتی وہ سترہ سالہ لڑکی تیزی سے جھکی لپٹی کمرے میں گھسی تھی۔

"کون ہے نوری؟" زلیخا باہر نکلی تھی۔ مرید دین بھی گھر میں داخل ہو چکا تھا۔

"صاب...... آپ...... صاب اس وقت؟" وہ اواب شاہ کو تاریکی میں دیکھ کر پریشان ہوا۔

"ہاں وقت بہت کم ہے۔" وہ پریشان تھا۔

"کیا ہوا صاب؟"

"فائق شاہ تمہارے گھر کو آگ لگوا دے گا کل شام تک۔" اواب کے چہرے پر مسلسل سنجیدگی اور فکر مندی تھی۔

"صاب! یہ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں! ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"

"بدنامی کی زندگی جینے سے بہتر ہے کہ ہم جل کر مریں۔ ٹھیک ہے۔ جو حکم رفاقت سائیں کا۔" مرید دین کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"میں تمہیں جلنے نہیں دوں گا مرید دین!" اواب شاہ نے اس کے کندھے تھامے اور حوصلہ دیا۔

"تم وہ واحد شخص ہو جس نے شاہ بنگلے کے ظلم کے خلاف احتجاج کیا ہے اپنے حق کے لیے، تم ایک غیرت مند انسان ہو جس نے دو وقت کی روٹی کی خاطر شاہوں کے آگے اپنی بیٹی نیلام نہیں کی۔ مجھے تم پر فخر ہے مرید دین!"

زلیخاں بے آواز رو رہی تھی۔ مرید دین بہتے آنسو ہتھیلی کی پشت سے رگڑ رہا تھا۔ اواب شاہ نے مرید دین کے میلے کچیلے حلیے کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اسے گلے سے لگا کر ڈھارس بندھائی۔ زلیخاں حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔

"آج رات تمہیں نوراں کے نکاح کا انتظام کرنا ہے۔ اور جتنی جلدی ہو گاؤں چھوڑ کر کے بھاگ جانا ہے۔ تاکہ تمہاری جان کو نقصان نہ ہو۔"

اس نے مرید دین کو قریب پڑی چارپائی پر بٹھاتے ہوئے کہا اور خود اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"نوراں کی شادی؟" مرید دین نے حیرت کا اظہار کیا۔

"میں نوراں سے شادی کروں گا۔ اور اسے عزت دوں گا اور یہ ثابت کروں گا کہ عزت صرف سید کے لیے ہی نہیں ہے اور عزت اگر سید کے لیے ہے تو نوراں بھی اب سید کی بیوی ہے۔ اور اس کی بھی عزت ہے۔"

"مگر صاب......" زلیخا اور مرید دین دونوں پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔

"اگر مگر کچھ نہیں...... وقت بہت کم ہے مرید دین! میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہارے بھلے کے لیے جو مجھ سے ہو سکا کروں گا۔ بابا جان اور فائق اس شادی کے لیے تیار نہیں۔ مگر میں نے تمہاری مدد کا وعدہ کیا ہے۔ جسے میں پورا کروں گا۔"

مرید دین کو چپ لگ گئی تھی۔

"قاضی اور گواہوں کا انتظام میں خود کر لوں گا۔ تم نوراں کو اس بارے میں آگاہ کر دو۔"

"پر صاب! گاؤں چھوڑ کے ہم جائیں گے کہاں؟" ہمارا اللہ اور اس گھر کے سوا کوئی آسرا نہیں صاب۔" پریشانی مرید دین کے انگ انگ میں جھلک رہی تھی۔

"تمہیں شفٹ کرنا اور گھر کا انتظام کرنا میری ذمہ داری ہے۔ تم اپنا ضروری سامان باندھ لو۔ آج رات ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔ ورنہ......" وہ لب بھینچتے ہوئے اپنی جیب ٹٹولنے لگا تھا۔ "یہ پیسے رکھ لو۔ میں اپنا ضروری سامان گھر سے لے آؤں تب تک تم تیاری کرو۔" وہ کہتے ہوئے مرید دین کے شانے تھپک کر نکل آیا تھا۔

اواب کے جانے کے بعد زلیخا نے سامان سمیٹنا شروع کیا۔ نوراں چارپائی پر بیٹھی رو رہی تھی اس کی لمبی چٹیا سے بال نکل نکل کر آنسوؤں سے تر چہرے پر چپک رہے تھے۔

زلیخا گٹھڑی فرش پر رکھے اس میں ضروری

digest novels lovers group

سامان ٹھونس رہی تھی۔ لمحوں بعد وہ گھر کو ایک نظر دیکھتی اور ایک لمبی سی "ہائے" خارج کرتی۔ مرید دین نوراں کے پاس بیٹھا تھا۔ نوراں بہت خوف زدہ تھی اور شادی کرنے پر راضی نہیں تھی۔

"اماں! ہم کو شادی نہیں کرنی اس سے، تم ہم کو جلنے دو ادھر۔" وہ ایک ہی رٹ لگائے ہوئے تھی۔

"اے پگلی! وہ ہم سب کا فیدہ (فائدہ) سوچتا ہے اور تو...... بے وقوپھ (بے وقوف)۔"

"اماں...... مارے کو ماڑ ڈال اماں! یہ جلم (ظلم) نہ کر۔" وہ کسی ضدی بچے کی طرح بستر پر مچل رہی تھی۔ اس کے موٹے موٹے ابرو تیوری کی زد میں تھے اور موٹی آنکھیں آنسوؤں کی زد میں۔

"حوصلہ کر میری دھی، اواب سائیں بوت اچھا آدمی ہے وہ مارا بھلا سوچتا ہے، وہ رفاقت سائیں جیسا نہیں ہے۔ بڑا پڑھا لکھا عقل مند بندہ ہے۔ میرے کو تو حیرت ہو رہی ہے کہ وہ تیرے سے شادی کر کے اپنی ساری جندگی کیوں برباد کر رہا ہے۔" مرید دین اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں ابا! تو شاہ جی پر بھروسا نہ کر۔ ابا میں جل جاتی ہوں۔ تو چلا جا یہاں سے...... پر...... پر میرے کو اس کے حوالے نہ کر۔ وہ میرے سے ٹھیک چھلوک (سلوک) نہیں کرے گا۔"

وہ اس کے سینے سے لگ کے مچل پڑی اور ہچکیوں سے رونے لگی۔

☆☆☆

رات کے اندھیرے میں اواب شاہ بیگ میں ضروری سامان ڈاکومنٹس ڈال کر شاہ بنگلے سے نکلا تھا مرید دین زلیخا اور نوراں کو گاڑی میں بٹھاتے ہوئے وہ بہت زیادہ پریشان تھا۔ پریشانی کی کوئی ایک وجہ نہیں تھی۔

مرید دین نے آنسوؤں سے اس گھر کو واپس آنے کی حسرت میں تالا لگایا تھا۔ جو ہونے والی رات میں جلا دیا جانا تھا۔

امریکہ پلیٹ اواب شاہ نے گھر کو دیکھا جس کی بظاہر کوئی وقعت نہ تھی۔ مگر مرید دین کی وہ کل کائنات تھا۔ اواب شاہ نے بڑی سی کالی چادر کے پیچھے چھپی ہوئی کم عمر نوراں کو دیکھا جس کی کپکپاہٹ واضح تھی۔ اس کے ماتھے اور گال پر زخموں کے نشان ابھی مندمل نہیں ہوئے تھے، دائیں ہاتھ سے اس نے دوپٹے کو کس کے تھاما ہوا تھا۔

وہ کم از کم مطمئن تھا کہ وہ مرید دین کا گھر نہیں بچا سکا مگر اس کی عزت تو محفوظ کرنے کے قابل تھا۔

فطرتاً ہمدرد اور انصاف پسند طبیعت نے اسے اس موڑ پر لا کھڑا کیا تھا۔ وہ اس تعلق کو کیسے نبھائے گا قطع نظر اس کے، اسے اس وقت مرید دین، بابا جان اماں جان کے چہرے دکھائی دے رہے تھے۔

☆☆☆

گاؤں سے اسلام آباد شہر تک کا سفر اواب شاہ کے لیے بہت صبر آزما تھا۔ نوراں کی گھٹی ہوئی پھنسی ہوئی خوف زدہ ہچکیاں وقفے وقفے سے اس کے کانوں میں پڑ رہی تھیں۔

اماں جان کو جب پتا چلے گا کہ اواب شاہ اپنے کمرے میں نہیں ہے اور بغیر بتائے کہیں چلا گیا تو...... تو ان پر کیا گزرے گی، وہ نہیں جانتا تھا۔ اپنا نمبر اس نے پاور آف کر دیا تھا۔

وہ سیدھا اپنے دوست اسد کے گھر پہنچا۔

"میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ یوں اچانک آج تم سے ملاقات ہو جائے گی۔"

اسد حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات تھے وہ دونوں بچپن کے دوست تھے۔ پھر اسد کی فیملی شہر منتقل ہو گئی اور اواب شاہ امریکا چلا گیا۔

اواب کو فوری طور پر یہی سوجھی کہ اسد کے ہاں عارضی رہائش اختیار کر لے جب تک اسے کوئی مناسب گھر نہیں مل جاتا۔

"بس یار......" اواب خاموش تھا۔

"پریشان کیوں ہو؟ اور یہ لوگ؟ سب کون ہیں تمہارے ساتھ؟" اسد مرید دین زلیخا اور نوراں

کے متعلق پوچھ رہا تھا۔ جو اس کی بیوی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں تھے۔

اواب نے تمام معاملہ اسد کے گوش گزار کر دیا تھا۔

"مگر اواب...... تم تم نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے کیا؟" وہ اواب اور نوراں سے شادی کرنے کا سن کر کافی تذبذب سے پوچھنے لگا۔

"ہاں اسد! تمہیں پتا ہے، میں فیصلے سوچ سمجھ کر ہی کرتا ہوں۔" وہ سنجیدہ تھا۔

مرید دین اور زلیخا کو اس نے خاصی رقم دے کر رخصت کیا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے گاؤں میں اپنے رشتہ داروں کے ہاں رخصت ہونا چاہتے تھے۔ اواب شاہ اور نوراں کا نکاح اسد اور اس کی بیوی اور چند دوستوں کی موجودگی میں پڑھا گیا تھا۔ مرید دین اور زلیخا نے دعاؤں کے ساتھ نوراں کو الوداع کیا تھا۔ وہ ان سے لپٹ لپٹ کر روتی رہی تھی۔ مچلتی رہی تھی۔ اسد اور اس کی بیوی کے سامنے اس کی یہی ایک رٹ تھی۔

"مارے کو نئیں رہنا شاہ جی کے ساتھ اماں! ام (ہم) کو بھی لے چلو ساتھ ابا۔"

اواب شاہ کو شرمندگی تو ہو رہی تھی مگر وہ معاملہ بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ نوراں پر کوئی سختی نہیں کرنا چاہتا تھا وہ خاموشی سے کھڑا یہ منظر دیکھتا رہا تھا۔ اس کا نوراں سے ڈائریکٹ کوئی رابطہ کوئی تعلق نہیں تھا۔ اور نہ وہ جانتا کہ وہ یہ تعلق کیسے بنائے گا یا کیسے چلائے گا۔ وہ خاموش تھا، پریشان تھا، سنجیدہ تھا۔ مرید دین کی دعائیں اواب شاہ کا حوصلہ بڑھا رہی تھیں۔

☆☆☆

اسد کے دیے گئے بیڈ روم میں وہ اور نوراں اس وقت بیٹھے تھے۔ نوراں نے اسد اس کی بیوی مائرہ کے اصرار پر بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ وہ بے آواز ہچکیاں لے رہی تھی۔ اواب شاہ کبھی اسے دیکھتا اور کبھی کھڑکی سے باہر نظر آنے والی سرسبز پہاڑیوں کو۔ کچھ دیر بعد مائرہ اندر داخل ہوئی تھی۔ اس کے پاس ایک گلابی سوٹ تھا۔

"یہ پہن لو نہا کر۔ واش روم میں شیمپو کنڈیشنر وغیرہ ہیں۔ اچھی طرح سے نہا لو۔" مائرہ کے چہرے کے تاثرات واضح بتا رہے تھے کہ اسے نوراں کے وجود سے گھن آ رہی تھی شاید اسی لیے اس نے اسے کپڑے تبدیل کرنے کا کہا تھا۔

"اٹھو بھی۔" اس میں کوئی حرکت نہ پا کر مائرہ نے بات دہرائی۔

"آپ کو کچھ چاہیے اواب بھائی...... چائے وغیرہ؟" شانے اچکا کر اس نے اواب کی طرف رخ موڑا۔

"جی...... تھینکس تھنگ۔"

"اوکے...... گڈ نائٹ آل آف یو۔" وہ کہتی ہوئی چلی گئی تھی۔ اس کے دروازہ مضبوطی سے بند کرنے پر نوراں کی سانسیں بے حد تیزی سے سنائی دینے لگیں۔ اس کی آنکھیں خوف زدہ تھیں۔ وہ تھر تھر کانپنے لگی تھی۔

"پلیز...... ڈونٹ بی ہیو لائک ڈیتھ۔" اواب نے بے ساختہ کہا۔ مگر پھر وہ خود ہی شرمندہ ہو گیا۔ نوراں انگلش تو کیا اردو بھی ٹھیک سے نہ جانتی تھی۔ چند لمحے بعد وہ اٹھا اور تکیہ لے کر کمرے سے باہر آ گیا تھا۔

اس کے چلے جانے پر نوراں کی سانس کسی حد تک بحال ہوئی تھی۔ وہ خوف اور حیرت کے ملے جلے تاثرات میں کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ کس قدر خوب صورت علاقہ اور گھر تھا یہ شاہ بنگلے سے بھی کہیں خوب صورت ایسا گھر اور ایسا سامان تو اس نے خوابوں میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر کچھ لمحے بعد ہی اس پر وہی ماضی طاری ہو گیا تھا جو پچھلے دو ماہ سے اس کی زندگی کو عذاب بنا چکا تھا۔ اس کے سامنے فائق شاہ اور اواب شاہ کے چہرے منڈلانے لگے تھے۔ وہ پھر سے رونے لگی تھی۔ اواب شاہ اس کی سسکیاں سننے کے باوجود جامد و ساکت لیٹا ہوا تھا لاؤنج کے

digest novels lovers group

صوفے پر۔ اس نے موبائل آن کیا تھا کچھ دیر بعد کال آنے لگی تھی۔
"ہیلو! ہاؤ آر یو اواب؟" مشعل کی بے تاب آواز تھی۔
"واٹ آ سا ٹکنٹ ایٹ یور سائیڈ۔" مسلسل خاموشی پر اس نے کہا۔
"سا ئیلنس" اواب نے دہرایا۔
"اتنے دن بعد سیل آن کیا اور اب بات بھی نہیں کر رہے۔ "ناٹ فیئر" پھر سے خاموشی پا کر وہ بولی۔
"آئی نو۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔
"سو۔"
"ہیلو...... ہیلو، آر یو دیئر؟"
اواب کال منقطع کر چکا تھا۔
☆☆☆
تقریباً ایک ڈیڑھ ہفتہ اسد کے ہاں قیام کے بعد اسے بہتر گھر اور جاب بھی مل گئی تھی۔ وہ مارگلہ ہلز کے قریب خوب صورت بیش قیمت گھر خرید چکا تھا۔
اب نوراں کو لے کر اسے وہاں آنا تھا۔ مائرہ بھابھی کی مدد سے اس نے یہ بات نوراں تک پہنچائی تھی۔ وہ خود نوراں سے کوئی بات نہیں کر سکا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ وہ اس سے بات کیسے کرے؟ کس طرح کرے؟ اواب شاہ کے سامنے ہوتے وہ عجیب بی ہو کر رہ جاتی تھی۔ کپکپانے لگتی۔ رونے لگتی۔ اواب شاہ نے اس کے لیے چند ملبوسات اور دوسرا ضرورت کا سامان خرید کر مائرہ بھابھی کو دے دیا تھا۔
"قسمت، چمک گئی یار! تیرے بنگلے کی معمولی ملازمہ کی۔" اسد نے اس کے لیے کی گئی بیش قیمت شاپنگ پر تبصرہ کیا تھا۔
"اس نے ایسی چیزیں کبھی خواب میں بھی نہ سوچی ہوں گی۔" یہ مائرہ بھابھی کا تبصرہ تھا۔
"اسد! اب وہ اس بنگلے کی ملازمہ نہیں ہے۔" اواب کو شاید یہ خطاب مناسب نہ لگا تھا مگر دنیا کے سامنے یہ حقیقت تھی۔
وہ ایک بہت مشکل مرحلہ تھا۔ اپنے گھر شفٹ ہونے کے لیے وہ کوئی دو گھنٹے تک کمرے سے باہر نہ آئی تھی۔
"باجی ام آپ کا سارا کام کر دوں گی۔ آپ مجھ کو ماسی رکھ لو۔ میں شاہ جی کے ساتھ نہیں جاؤں گی باجی۔ خدا واسطے۔" وہ مائرہ کے اصرار پر اس کے پاؤں پڑ گئی تھی۔
"دیکھو وہ تمہارا شوہر ہے۔ لڑکی اپنے شوہر کے گھر ہی رہتی ہے۔ بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ اواب بھائی نے بہت خوب صورت گھر لیا ہے۔ دیکھو گی تو پاگل ہو جاؤ گی۔" مائرہ اپنی سمجھ کے مطابق اسے قائل کر رہی تھی۔
"نہ باجی نہ...... چھوٹے شاہ جی نے بھی ایسا ہی کھبصورت گھر لیا ہوا ہے جی...... مارے کو روک لو۔" وہ ماضی کے ڈراما میں فائق شاہ اور اس کے فارم ہاؤس کو یاد کر رہی تھی۔
دو گھنٹے کے انتظار کی مسلسل اکتاہٹ میں اواب شاہ غصے سے اندر آیا تھا۔
"نوراں! چپ ہو جاؤ۔ بند کرو یہ رونا دھونا۔ بیگ اٹھاؤ اور باہر آؤ۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔" وہ غصے سے کہہ کر باہر آ گیا تھا۔
نوراں خوف زدہ کپکپاتی ہوئی۔ بیگ اٹھا کر سسکیاں دباتی چل پڑی تھی۔
☆☆☆
"دیکھو! یہ بھوک کاٹنے سے تمہیں یا مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" تین دن کے بعد وہ اس سے مخاطب تھا۔
"اپنے لیے کھانا وہ خود ہی بناتا اور اس کے قریب کھانا رکھ کر چلا جاتا تھا۔ وہ تین دن سے اسی کمرے میں تھی۔ جہاں اسے اواب شاہ نے لا کر بٹھایا تھا۔ اور وہ اسی پوز میں کارپٹ پر بیٹھی تھی کبھی روتی کبھی کمرے کا جائزہ لیتی۔ یہ گھر تو اسد کے گھر کو بھی پیچھے چھوڑ گیا تھا۔
قدموں کے نیچے مخمل کا قالین تھا۔ دیواروں پر

ریشمی پردے لٹک رہے تھے کھڑکیوں کے پار جھانکتی ہوئی پہاڑیاں سبزہ، نوراں جنت میں تھی شاید۔ بیڈ کا میٹرس اتنا نرم گداز تھا کہ اس سے سر ٹکاتے ہی اسے کارپٹ پر بیٹھے بیٹھے ہی نیند آ جاتی تھی۔ فائق شاہ کی زیادتی کا واقعہ اسے جگا دیتا پھر سب کچھ دوزخ بن جاتا۔ یہ پہاڑیاں آگ برسانے لگتیں، قالین قدموں تلے انگارہ ہو جاتا۔ اسے نفرت آتی اپنے آپ سے، اواب شاہ سے اس گھر سے، فائق شاہ سے، شاہ بنگلے سے۔

"کھانا کھا لو۔ کم از کم تم زندہ تو رہ سکو گی آسانی سے۔"

وہ کمرے کے دروازے میں کھڑا تھا۔ نوراں کو خوف کے ساتھ حیرت بھی تھی کہ وہ اپنے گھر کی ملازمہ کے لیے کھانا پکا کر لاتا ہے۔ وہ اسے گھر کا کام کرنے کو کیوں نہیں کہتا۔

روٹین کی طرح نوراں کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تھا۔ بس یہ ضرور تھا کہ اس کے جانے کے بعد اس نے چند نوالے کھا لیے تھے۔ یہ پیٹ کی مجبوری تھی یا کیا، بہرحال وہ اب کھانا کھانے لگی تھی۔ چاہے دیر سے کمرے سے باہر ابھی تک نہیں نکلی تھی۔

اواب شاہ صبح آٹھ بجے جاتا اور رات آٹھ بجے آفس سے واپس آتا۔ کھانا کھانے کے بعد یا تو کوئی اسپورٹس چینل دیکھتا یا پھر کوئی کتاب پڑھنے لگتا۔ وہ خود کو حد درجہ مصروف رکھتا۔ تاکہ اسے اماں جان کی یاد نہ ستائے۔ اسے حیرت تھی کہ بابا جان نے بھی اسے کوئی کال نہ کی تھی۔ شاید وہ سب لوگ اس سے نفرت کرنے لگے ہوں گے۔ یا شاید اس کا نمبر بند یا کر کال کرنا بند کر دی ہوگی۔

ایک دن یوں ہی گھر کے نمبر پر کال کر کے وہ اماں جان کی آواز سننا چاہتا تھا۔ مگر اماں جان کی بے تابی اور حال احوال پوچھنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ رفاقت شاہ نے یہ کہتے ہوئے کال بند کر دی تھی۔

"آئندہ اس گھر سے رابطہ مت کرنا۔ مر گئے ہم تمہارے لیے ...... بہت عزت کروا دی تم نے ہماری۔"

اس کی آنکھوں میں اداسی بھر گئی تھی۔

شب و روز بیت رہے تھے۔ ہر تیسرے روز اواب شاہ نیند سے ہڑبڑا کر اٹھتا اور نوراں کے کمرے کی طرف دوڑتا۔ اس کی وجہ نوراں کا رونا دھونا اس کی چیخ و پکار ہوتی تھی۔ وہ زارو قطار رو رہی ہوتی تھی۔ اواب شاہ اسے سمجھاتا۔

"دیکھو۔ یوں شور مچانے سے کیا ہو جائے گا۔ وقت گزر چکا ہے بہتر ہے کہ تم اس زندگی کو قبول کرلو۔"

یونہی اک روز وہ گھر واپس آیا تو فضیلت آپا نے اسے بتایا کہ نوراں اپنے کمرے میں بے ہوش تھی۔ فضیلت آپا کو اواب نے نوراں کی دیکھ بھال کے لیے رکھ لیا تھا۔ اسے اکیلا چھوڑنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ وہ خود کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچا سکتی تھی۔

"صاحب! میں نے ان کو ہوش دلانے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہیں اٹھیں جی۔" فضیلت آپا حد درجہ پریشان تھی۔

اواب اپنا آفس بیگ لاؤنج میں ڈالتے ہوئے تیزی سے نوراں کے کمرے کی طرف بھاگا۔ وہ کارپٹ پر پڑی تھی۔ وہ فوراً اسے ہاسپٹل لے کر گیا۔

ڈاکٹر نے اسے بتایا تھا کہ نوراں کا مس کیرج ہو چکا ہے۔ اس کی وجہ شاید اس کا خود کو پیٹنا اور خود پر تشدد کرنا تھا۔ اواب ڈاکٹر کے کیبن سے نکل کر ہاسپٹل کے لان میں آ گیا تھا۔

وہ دو ماہ قبل ملنے والی اس خبر کو سوچ رہا تھا۔ جب اس نے رپورٹس پڑھ کر نوراں کو بتایا تھا۔ وہ ڈری سہمی سی اس کے ساتھ ہاسپٹل سے واپس آئی تھی۔ گویا وہ ایک تکلیف دہ لمحہ تھا۔ چونکہ اس بچے کا باپ وہ خود نہیں تھا۔ مگر پھر بھی اس کی قصوروار نوراں تو نہ تھی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ خبر نوراں کے لیے بھی بری ہی ہوگی۔ اسے خود پر کنٹرول رکھنا تھا تاکہ نوراں کو بھی نارمل کر سکے۔

"مجھے ...... مجھے تمہیں بتانا تھا کہ تم ...... تم ماں

digest novels lovers group

بننے والی ہو۔" بہت زیادہ وقت سے اس نے یہ جملہ ادا کیا تھا۔

پہلی بار زندگی میں نوراں نے بے ساختہ نظریں اٹھائی تھیں۔ چند لمحے اسے حیرانی سے دیکھ کر اس کی پلکیں خود بخود جھک پڑی تھیں۔ سفید گال سرخ ہو گئے تھے۔ وہ شرمندگی سے ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔ پھر اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

"دیکھو...... تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... تم اپنی صحت کا خیال رکھو...... تم پہلے ہی فاقوں کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئی ہو۔"

وہ اسے ایسی ہی نصیحتیں کر سکتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بچے کے دنیا میں آجانے پر وہ کسی حد تک نارمل ہو جائے گی۔

وقتاً فوقتاً وہ اسے خوش کرنے کے لیے بچے کے کپڑے اور کھلونے بھی لے آیا تھا مگر نوراں...... وہ شاید کسی اور سوچ میں تھی۔ وہ خود پر تشدد کرتی اپنے پیٹ پر گھونسے مارتی۔

"یا اللہ...... میرے کو موت دے دے...... کتنی گندی ہوں میں گند بھر گیا ہے میرے اندر۔"

"تم گندی ہو اور نہ ہی تم نے کوئی گناہ کیا ہے۔ تم فائق شاہ کے گناہ کی سزا اس بچے کو مت دو جس کی تم ماں ہو، ہاں اسے اذیت دے کر یا نقصان پہنچا کر تم ضرور گناہ کر رہی ہو۔"

مگر نوراں کی عقل ان سب باتوں تک نہیں جا سکتی تھی۔

مس کیرج کے حادثے کے بعد اواب شاہ کو ضروری لگا تھا کہ وہ نوراں کو کسی سائیکا ٹرسٹ کے پاس لے جائے۔ اس نے اس کے لیے کتابیں خریدی تھیں تاکہ وہ مصروف رہے اور ماضی کی فضول یادیں اس کا مزید دماغ خراب نہ کریں۔ خلاف معمول نوراں نے کتابوں میں دلچسپی دکھائی تھی۔ شاید وہ پڑھنا چاہتی تھی۔

سائیکا ٹرسٹ کی مدد سے نوراں کو پڑھائی کی طرف لانے میں کافی مدد ملی تھی۔

دن مہینوں میں اور مہینے سالوں بدلتے گئے نوراں نے اب میٹرک کر لیا تھا۔ تعلیمی اسناد میں اس کا نام "ماہ نور" لکھا تھا۔ اواب شاہ بہت خوش تھا۔ اور نوراں کو اپنی کامیابی کا اندازہ اسے خوش دیکھ کر ہوا تھا۔

"شکر ہے تم نے بہت اچھے نہ سہی کم از کم پاسنگ مارکس تو لے لیے۔ حالانکہ تم جیسی ان پڑھ سے مجھے قطعی امید نہیں تھی۔ تھینکس گاڈ۔"

نوراں کو بس یہ انتظار تھا کہ اب وہ اس سے آگے کیا کرے گی؟ کیا پھر سے فارغ بیٹھی رہے گی گھر میں۔

اب وہ کسی حد تک فضیلت آپا کے ساتھ گھر کے کاموں میں مدد بھی کرنے لگی تھی۔ اواب کے ساتھ اس کا رویہ وہی تھا حد درجہ اجنبیت والا، نفرت دکھاتا۔ کم از کم اواب کو تو یہی لگتا۔ وہ جلد اس کی کسی بات کا جواب نہ دیتی۔ اواب کو یا تو فضیلت آپا کی مدد لینا پڑتی یا جھنجلا کر اسے ڈانٹنا پڑتا۔ ڈانٹ کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کئی کئی روز کمرے سے نہ نکلتی۔

☆☆☆

مرید دین اور زلیخا کو نوراں کی یاد ستانے لگی تو وہ اسد سے پوچھ پچھ کے بعد اواب شاہ کے خوب صورت اپارٹمنٹ پر پہنچے تھے۔ فضیلت آپا انہیں پہچان نہ پائی تھیں لہٰذا وہ گھر کے گیٹ پر ہی بیٹھے رہے تھے نوراں کے کالج سے واپس آجانے تک۔

اواب شاہ نوراں کو گھر ڈراپ کرنے آیا تو مرید دین اور زلیخا تیزی سے اس کی گاڑی کی طرف لپکے۔

"نوری...... رے نوری۔" زلیخا نے بے ساختہ پکارا تھا۔

"ماری دھی...... تو ماری دھی ہے؟" مرید دین اس کے بدلے حلیے پر حیرت اور خوشی سے پوچھ رہا تھا۔

نوراں سفید یونیفارم میں سر پر دوپٹا اوڑھے کندھے پر بیگ لٹکائے ان سے بہت مختلف لگ

رہی تھی۔

"مریدین! اندر چلو نا...... وہاں چل کر ملتے ہیں۔" اواب شاہ نے کہا تھا۔

"جی صاب...... جی۔"

سب اندر لاؤنج میں آگئے تھے۔ اواب شاہ نے دیکھا تھا کہ وہ ان کے ملنے کیلیے سینے میں سر دیئے بہت پرسکون ہو کر بیٹھی تھی۔ جبکہ اس کا کشادہ اور ستھرا سینہ جس پر وہ بھی اعتماد نہیں کر پائے گی شاید۔

اواب شاہ کھانے کا آرڈر دے کر گھر سے نکل آیا تھا تاکہ وہ ماں باپ بیٹی سکون سے دکھ سکھ بانٹ سکتے، وہ خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہا تھا۔

اسے لگ رہا تھا کہ نوراں زلیخا اور مریدین کے ساتھ چلی جائے گی۔ مگر وہ نہیں گئی تھی۔ کچھ روز کے قیام کے بعد وہ لوگ واپس چلے گئے تھے۔

"نوراں بی بی کے والدین نے بہت اصرار کیا تھا جی مگر وہ جانے کے لیے نہیں مانی۔" فضیلت آپا کمرے کی صفائی کرتے ہوئے اواب کو بتا رہی تھیں۔

وہ خاموشی سے لیپ ٹاپ پر مصروف رہا۔

شہر کی سہولتوں والی زندگی اور گاؤں کی مشکل زندگی میں بڑا فرق ہے نا...... اس لیے...... اور پھر کالج اور تعلیم چھوڑ کر جانے کو کس پاگل کا دل کرے گا۔ یہاں تو عیش ہی عیش ہیں۔" فضیلت آپا نے مزید اواب شاہ کو کریدا۔ جس کی حد درجہ خاموشی پر انہیں حیرت ہوتی تھی کہ اس طرح کی لڑکی کے ساتھ وہ کیوں ایک بور اور بے رنگ زندگی گزار رہا ہے۔

"فضیلت آپا! یہ گھر نوراں کا اپنا ہے۔ وہ یہاں سے کہیں اور کیوں جائیں گی۔"

"پھر بھی صاب...... آخر وہ یہاں رہ کر کون سا خوش ہیں۔ روتی رہتی تھیں اپنے والدین کے پاس جانے کو۔"

"تب وہ ٹھیک نہیں تھیں۔ اب بالکل نارمل ہیں۔ آپ جلدی سے کام ختم کریں اور نوراں بی بی کو اپنے ساتھ بازار لے جائیں۔ یہ ان کو کچھ چیزیں چاہئیں، میں ذرا مصروف ہوں۔" اس نے سائیڈ ٹیبل سے لسٹ اٹھا کر ان کی طرف بڑھائی اور موضوع بدل دیا تھا۔

☆☆☆

اواب شاہ کی پروموشن ہوگئی تھی اب وہ باس کی سیٹ پر تھا۔ کمپنی کی طرف سے اس کے اعزاز میں عشائیہ دیا جا رہا تھا۔ تمام کولیگز چاہتے تھے کہ اواب شاہ اپنی مسز کو بھی ساتھ لائے۔ آفٹر آل اتنے ڈشنگ بندے کی بیوی کو دیکھنے کے سب خواہاں تھے۔

کولیگز کی اس خواہش پر اسد کا قہقہہ نکل گیا تھا وہ بھی اسی کمپنی کا ورکر تھا۔

اواب شاہ کو اس کی ہنسی کا مطلب معلوم تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسد کے ذہن میں نوراں کا حلیہ ہے۔ وہ بس ذرا سا مسکرایا تھا۔

آفس سے واپسی پر اواب شاہ اسے لے کر شہر کے مہنگے ترین بیوٹی سیکشن میں آگیا تھا۔

دو گھنٹے کی محنت کے بعد بیوٹیشن نے اسے اواب شاہ کے شانہ بشانہ چلنے کے قابل بنا دیا تھا۔

مینی کیور پیڈی کیور فیشل کٹنگ اور میک اوور کے بعد وہ نوراں نہیں لگ رہی تھی۔

دیے گئے ٹائم پر اسے پک کرنے کے لیے اواب شاہ واپس آیا تھا۔

معروف کالج میں تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ اور اواب شاہ کی بیوی جو اواب شاہ کے خریدے ہوئے بیش قیمت چاکلیٹ کلر کے ڈریس میں ہم رنگ اسٹونز کی جیولری پہنے اسٹیپ میں کٹے بالوں کے ساتھ دودھیا نکھری رنگت میں کسی اور ہی سیارے کی مخلوق لگ رہی تھی۔

اپنی فطری شرم کی بدولت وہ سلیولیس فراک میں اپنے برہنہ بازوؤں کو ہاتھوں کی اوٹ دے رہی تھی۔ اواب شاہ سے نظریں تو وہ پہلے ہی نہیں ملاتی تھی۔ مگر آج اس کا سر پہلے سے بھی زیادہ جھکا ہوا

digest novels lovers group

تھا۔ اس کی وجہ شاید اواب شاہ کا مسلسل اس پر نظریں جمائے رکھنا تھا شاید۔

"ماہ نور" اس کے ہونٹوں سے بے ساختہ نکلا تھا۔ اور پھر وہ اسے اسی نام سے پکارنے لگا تھا۔

پورے ڈنر کے دوران تمام ممبرز اس سے ہیلو ہائے کر کے جاتے رہے تھے۔

"ہیلو! ہاؤ آر یو؟" اسد پر حیرت کا بم پھٹا تھا۔

"فائن!" ذرا سا مسکرا کر نوراں جواب دیا تھا۔

اواب شاہ نے بھی چند لمحے اسے تکا۔ کیونکہ اس کے نزدیک تو وہ ابھی بھی اتنی پراعتماد نہیں تھی۔ وہ اپنے پہلو میں کھڑی نوراں کو پہچان نہ پایا۔

"یار...... بڑی محنت کی ہے لگتا تم نے۔" اسد ایک سائیڈ پر کھڑا اسے سراہ رہا تھا۔ وہ بس مسکرا ہی پایا تھا۔

☆☆☆

گھر واپس آ کر وہ سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اواب شاہ چند لمحے لاؤنج میں بیٹھا رہا۔ پھر نہ جانے کیوں وہ اس کے کمرے میں چلا آیا۔

دروازہ کھولنے پر اس نے دیکھا کہ وہ آئینے کے آگے کھڑی اپنا وجود دیکھ رہی تھی۔ اواب کے پہلی مرتبہ یوں دستک دیے بغیر اندر آنے پر وہ اچانک گھبرا گئی کیوں کہ رات پہلے بہت ہی بیت گئی تھی دو بج رہے تھے۔

"وہ...... وہ......" اسے گھبرایا ہوا پا کر وہ کوئی بہانہ سوچنے لگا۔ "وہ میں پوچھنے آیا تھا کہ تم چائے پیو گی۔ "میں چائے بنانے جا رہا ہوں۔" فوری طور پر وہ یہی کہہ سکا۔

"جی...... جی نہیں۔" دوپٹا سر پر پھیلاتے ہوئے وہ تیزی سے انکاری تھی۔

اس کی تیز چلتی سانسوں نے اواب شاہ کو احساس دلایا تھا کہ اسے واپس چلے جانا چاہیے۔ وہ بہت گھبرا گئی تھی۔ اس کے سفید پاؤں جوتے سے آزاد تھے۔ جن کی حساسیت کی وجہ سے جوتے کے نشان پڑ گئے تھے۔ انہیں تکتا ہو وہ کمرے سے "گڈ نائٹ" کہہ کر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

نوراں اب یونیورسٹی کی اسٹوڈنٹ تھی۔ اواب نے یونیورسٹی میں فونیٹکس (علم صوتیات) کے لیے اس کا ایڈمیشن کروا دیا تھا۔ آج کی ماہ نور کل کی نوراں سے بہت مختلف تھی، وہ روانی سے انگلش بولتی۔ آؤٹ اسٹینڈنگ ڈریسز پہنتی۔ اس کے لہجے اور زبان میں حد درجہ نکھار آ گیا تھا۔ اواب کو اس کی کامیابیوں پر فخر ہوتا۔ وہ اواب سے اب پہلے کی طرح ڈرتی نہیں تھی اس تمام عرصے کے دوران اواب شاہ کو بھی گمان نہ گزرا تھا کہ اس کا اس سے کیا رشتہ ہے؟ وہ اس کا رہنما تھا محسن تھا؟ وہ اس کی کیا تھی؟ معلوم نہیں۔

وہ بہت پراعتمادی سے اپنے اخراجات کے لیے اواب سے رقم مانگا کرتی۔ اس کی سہولت کے لیے اواب نے اپنا اور اس کا جوائنٹ اکاؤنٹ کھلوا دیا تھا۔

اسے اپنی چیزوں کو استحقاق سے استعمال کرتا دیکھ کر اواب کو بہت خوشی ہوتی۔ وہ گھنٹوں اپنے لیپ ٹاپ پر رقصاں اس کی حسین انگلیاں دیکھتا رہتا۔ اس کے شانوں تک کٹے بال اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے ہوتے، وہ اس کے چہرے کو چھونا چاہتا تھا مگر، ان کے بیچ ایسا کوئی تعلق تھا ہی نہیں۔

وہ لمبی چٹیا والی سہمی ڈری نوراں وہ تو نہ جانے کہاں چلی گئی تھی۔ ماہ نور...... ماہ نور ہر لحاظ سے اواب کے قابل تھی۔ دس سال ہونے کو تھے ان کے اس خوب صورت مگر بے نام تعلق کو، کاغذی نکاح دس سال پرانا ہو چکا تھا۔ اواب شاہ کے بالوں میں سفیدی اتر آئی تھی۔ ہم عصروں کی زندگیوں کی ترقیاں اسے بتاتیں کہ اس کی زندگی کس قدر جمود کا شکار تھی۔ دس سال سے وہی ایک روٹین تھی۔ آفس جانا واپس آنا۔ کوئی نہ کوئی کتاب پڑھنا۔ انٹرنیٹ پر مصروف ہونا۔ ماہ نور کی پڑھائی میں اس کی مدد

کر دینا۔ یا اس کے ساتھ شاپنگ کے لیے جانا کہ کبھی کبھار اس کی یونیورسٹی جا کر معاملات دیکھنا۔ اور ہر اتوار کے دن مسلسل بور ہونا۔

وہ اب کچھ سوچنا چاہتا تھا۔ کوئی فیصلہ لینا چاہتا تھا وہ اس خاموش اور بے رنگ زندگی سے اکتا گیا تھا۔ اس کی زندگی کی خوشیاں بس ماہ نور کی تعلیمی ترقی سے منسلک تھیں۔ خوشی اس سے بڑھ کر بھی تو معنی رکھتی تھی زندگی میں۔

"ماہ نور!" گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے اس نے اسے پکارا۔

وہ یونیورسٹی جانے کے لیے اواب شاہ کے برابر کی سیٹ پر آ بیٹھی پیازی رنگ کے شلوار قمیص میں وہ سفید دوپٹا اوڑھے معصوم پری لگ رہی تھی۔

"جی؟" اس نے ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے کہا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کا اعتماد تھا۔

"تم یونیورسٹی سے پاس آؤٹ ہونے کے بعد کیا کرو گی۔" آئی مین تمہارا فیوچر پلان کیا ہے؟"

ماہ نور صبح صبح اس قسم کے سوال پر حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں جاب کروں گی اس کے بعد۔"

"پریکٹیکل لائف کب اسٹارٹ کرو گی؟" اواب نے گاڑی اسٹارٹ کر کے یونیورسٹی کے راستے پر ڈالی۔

"میں جاب کروں گی، آئی تھنک اٹ ول بی پریکٹیکل۔" گاڑی کے شیشے میں اپنی لپ اسٹک کو برائٹ کرتے ہوئے وہ کہنے لگی۔

"میرا مطلب ہے ہم۔ ہم اپنی میریٹل لائف (ازدواجی زندگی) کب اسٹارٹ کریں گے۔ اواب شاہ نے بمشکل پوچھا۔

"اس کی نظریں بیک وقت آئینے میں جھلکتی اس کی آنکھوں اور سڑک پر مرکوز تھیں۔ اس کی آنکھیں ٹھہر گئی تھیں۔

"شاہ جی......" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر چپ ہو گئی۔

"تم آج سے مجھے یہ خطاب نہیں دو گی۔ جسٹ اواب شاہ!" اس نے ماہ نور کے گالوں پر تھرتھراتے پلکوں کے سائے کو تکا اور اس کی لب کشائی کا انتظار کرنے لگا۔

وہ تمام راستہ کچھ نہ بولی تھی۔ اواب نے بھی اسی پر اکتفا کر لیا تھا۔ وہ اسے ماضی میں واپس دھکیلنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اب اس پہلو پر غور شروع کر دے گی۔ وہ بہت ذہین اور معاملہ فہم تھی۔ اسے جب مناسب لگے گا وہ اسے جواب دے گی۔ اس کا مقصد کبھی بھی اس کی خواہش کے خلاف جانا نہیں تھا۔

شاید وہ اب بھی اس سے ایسی کوئی بات نہ کرتا، زندگی کی ندی کو خود ساختہ دھارے پر بہنے دیتا۔ مگر وہ اپنی پھیکی زندگی سے تنگ آ گیا تھا۔ اسے کسی ساتھی کی ضرورت تھی۔ اسے بیوی کی ضرورت تھی۔ جو شام کو گھر آنے پر اس کا بے تابی سے انتظار کرتی۔ اس کے لیے پانی لاتی۔ اس کی دن بھر کی تھکن شیئر کیا کرتی۔ اس کا ہاتھ تھامتی تو دنیا بھر کی دوری کا احساس معدوم کر دیتی۔

اگلے روز جب اواب شاہ نے اسے یونیورسٹی ڈراپ کیا تو وہ گیٹ کی طرف جانے کے بجائے کھڑی رہی۔ ایسا پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ وہ فوراً وہاں سے اوجھل ہو جایا کرتی تھی۔

"کیا ہوا؟" اس نے گلاسز اتارتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں۔" وہ کچھ گڑبڑائی پھر کہتی ہوئی گیٹ کی طرف چل پڑی۔

"پلیز۔" اس نے اصرار کیا۔

"شام تک۔" اس کی آنکھوں میں تفکر تھا۔ ہولے سے کہہ کر وہ چلی گئی۔

☆☆☆

اواب شاہ کا تمام دن بے تابی سے گزرا۔ شام ہونے کا انتظار بہت تکلیف دہ تھا۔ گویا ایک دن نہیں دس سالوں کا انتظار ہو۔

واپسی پر اس نے پلاٹینم اور ایمرالڈ سے بنا

digest novels lovers group

خوب صورت بریسلٹ خریدا۔

خلاف معمول وہ ڈنر آج اس کے ساتھ ہی کر رہی تھی۔ ڈنر کے دوران وہ بار بار اسے دیکھتی اور نظریں جھکا لیتی۔ اس کی یہ کیفیت اواب کو بہت مزا دے رہی تھی۔ وہ شرما رہی تھی شاید اسے کچھ کہنا تھا۔

فضیلت آپا نے برتن اٹھا کر چائے سرو کی۔ بھاپ اڑاتی چائے کے پیچھے ماہ نور کا دھندلایا چہرہ نظر آ رہا تھا۔

"مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا۔" کہنیاں میز پر دھرے ہاتھوں کی پشت پر تھوڑی ٹکائے وہ نظریں جھکائے بولی۔

"کہو۔" اواب مسکرایا، وہ اس کے تمام نقوش حفظ کر رہا تھا۔ وہ چپ رہی۔

"کچھ چاہیے؟"

اواب نے اپنی مٹھی میں بند بریسلٹ کو محسوس کیا۔ وہ اب مسلسل اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ اور اواب اس کی آنکھوں کی گہری چمک میں غوطہ زن تھا۔

"ہاں۔" اس نے پلکیں گرا دیں۔

"کیا؟"

"سیپریشن (علیحدگی)" پتا نہیں ماہ نور نے کیا کہہ دیا تھا وہ اس کے لبوں کی حرکت کو دہرانے لگا۔ ماہ نور اس کے دہراتے لبوں کو تکنے لگی۔

"کوئی شکوہ ہے کیا؟ کوئی خفگی؟ مجھے بتاؤ...... کچھ چاہیے کیا؟ میں دوں گا۔ سب۔" لاکھ کوشش کے بعد بھی اواب کے اندر کی توڑ پھوڑ اس کے لہجے میں در آئی تھی۔ وہ ٹوٹ رہا تھا۔ وہ مضبوط اعصاب کا مالک اواب شاہ ماہ نور کے ایک لفظ سے تہس نہس ہو گیا تھا۔

"میں آپ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔"

وہ کتنی پر اعتماد لگ رہی تھی اور وہ...... اسے نوراں سے ماہ نور بنانے والا، آج خود نوردین بن گیا تھا۔ شاید اس کا سارا اعتماد کرچیوں میں بٹ رہا تھا۔

"کیا...... کیا تم اب تک مجھے جان نہیں پائی ہو؟ کیا دس سال کا عرصہ کم ہے کسی کو جاننے کے لیے؟ کیا تم اب بھی مجھے فائق شاہ کا بھائی سمجھتی ہو صرف۔ تمہیں پتا ہے تم نوراں نہیں ہو۔ تم ماہ نور ہو ڈیئر...... تم میری ماہ نور ہو۔" وہ اسے اسٹڈی کے دوران کچھ سمجھانے والے انداز میں سمجھانے لگا۔

"آپ مجھے ڈیوارس دے دیں۔" وہ کسی بات کا جواب دینے کے بجائے کہہ کر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔"

اواب اس کی پشت پر جھولتے سلکی بال دیکھتا رہ گیا۔ بریسلٹ کو اس نے بے دلی سے ٹیبل پر ڈال دیا۔ چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

وقت دیکھنے پر اسے احساس ہوا تھا کہ یہاں گہری سوچ میں ڈوبے اسے گھنٹا بھر سے زیادہ ہو گیا تھا۔

وہ اس کے کمرے کے باہر کھڑا تھا۔ چند لمحے دستک دینے کے بعد دروازہ کھل گیا تھا۔ کمرے میں ٹیبل لیمپ کی پیلی روشنی تاریکی پر کچھ زیادہ حاوی نہ ہو رہی تھی۔ اسکائی بلو سلکی نائٹی میں وہ دروازہ کھول کر مڑی۔

"مے آئی کم آن۔" یہ اس کا بیڈ روم تھا۔ ہمیشہ کی طرح اسے اجازت لے کر ہی اندر آنا تھا۔

وہ کچھ کہنے کے بجائے ہونٹ چبانے لگی تھی۔

چند لمحوں بعد اواب آگے بڑھا۔

"ماہ نور!" وہ اس کے سامنے صوفے پر بیٹھا تھا۔

"ماہ نور! ہم نے دس سال بہت اچھا ساتھ نبھایا ہے میری ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ تمہارا اعتماد بحال کرا دوں۔ تمہیں انسانوں کے بیچ فرق کرنا سکھا دوں۔ تمہارا ذات پات کا پیمانہ توڑ دوں۔ تم مجھے فائق شاہ، یا کسی کو بھی ذات کے پیمانے میں نہیں انسانیت کے پیمانے میں دیکھو، میری تلاش میری کوشش لاحاصل نہیں، غلط نہیں۔ مجھے صلہ تو نہیں چاہیے مگر...... ماہ نور، تمہیں اپنے لیے ٹھیک فیصلہ کرنا چاہیے۔ میں نے ہمیشہ تمہاری ہر بات مانی ہے۔ تمہارا بھلا سوچا ہے۔ تم کہاں جاؤ گی یہ گھر چھوڑ کر؟ مجھ سے الگ ہو کر کہاں رہو گی؟"

وہ بہت سمجھداری سے اس کے لیے ہمیشہ کی طرح فکر مند ہو کر کہہ رہا تھا۔ ماہ نور کے سیل کی بیل پر

دونوں کی توجہ بٹ گئی۔

ماہ نور نے سیل کو آف کر کے بیڈ پر اچھال دیا تھا وہ شاید اس کی بات دھیان سے سننا چاہتی تھی اواب کو یہی لگا۔

"آپ نے ہمیشہ میری بات مانی ہے، میرا بھلا سوچتے ہیں۔ تو جو میں چاہتی ہوں اس میں بھی میرا بھلا ہی ہے۔" وہ سامنے بیڈ پر جا بیٹھی۔

"تم نادان ہو ابھی تک دس سال پرانی بات لے کر بیٹھی ہو۔" وہ جھنجلا گیا۔

"نہیں میں نادان نہیں ہوں۔" اس نے تیزی سے اس کی بات سے انکار کیا۔

"ماہ نور۔" اواب نے اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ اس کی تمام تر توجہ اواب کے چہرے پر تھی۔ وہ اٹھا اور اس کے قریب گھٹنے ٹیک کر کارپٹ پر بیٹھ گیا۔ اواب نے آہستگی سے ماہ نور کے ہاتھ تھام لیے تھے۔ ایسا زندگی میں پہلی بار ہوا تھا۔

There is a pian in my heart (مجھے تم سے محبت ہے)

اس کے ڈوبتے دل سے سرگوشی سی ابھری۔

وہ تیزی سے اٹھی۔ اس کے ہاتھ میں ورجینیا وولف کا ناول تھا۔ ناول کو بک شیلف میں رکھنے کے بہانے وہ اواب سے کترائی۔

"مجھے نہیں رہنا آپ کے ساتھ۔" وہ کرخت لہجے میں بولی۔

"ماہ نور! میرا خیال ہے تم اب باشعور ہو، پڑھ لکھ گئی ہو۔ تم مجھ میں اور فائق شاہ میں فرق سمجھ سکتی ہو۔ تم مجھ سے خوف زدہ نہیں ہو تو پھر۔ پھر یہ حماقت کیوں؟"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں کسی اور میں انٹرسٹڈ ہوں، اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ ی از مائی کلاس میٹ۔" وہ کہہ کر بیڈ پر جا بیٹھی۔

"یہ حقیقت نہیں ہے ماہ نور ------ صرف دھوکا ہے۔"

"یہ فریب ہے اور نہ جھوٹ۔" وہ چلائی۔

وہ کبھی اواب کے روبرو نہیں چلائی تھی۔ وہ نوراں ۔ ماہ نور ۔ اواب کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

آج کی رات ماہ نور کا چہرہ دوسری بار دھندلایا تھا۔ وہ باہر آ گیا تھا۔ بوجھل قدموں سے وہ اسٹڈی کی طرف آیا اس نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ بالوں میں کچھ سفیدی تھی۔ دس سال بیت گئے۔ اور "آج" میں تبدیلی آگئی تھی اس میں۔

رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھ کر وہ کچھ لکھنے لگا۔ سب کچھ عجیب لگ رہا تھا۔ ٹیبل لیمپ آن کرنے میں اسے کوئی پانچ منٹ لگے۔ کھڑکی کے پار جھینگری تنہا کوچ کی للکار سے زیادہ اواب شاہ کے قلم کی للکار میں سوز تھا۔ وہ لکھنے لگا۔

☆☆☆

پچھلے گزارے لمحوں کی بے چینی اس کے انگ انگ کو چیر رہی تھی۔ وہ کوئی گھنٹہ بھر نہاتی رہی۔ نہ جانے وہ کیا سوچ رہی تھی۔ وجود کو پرسکون کرنے کے لیے نہا رہی تھی۔ یا غلاظت دھونے کے لیے۔

اس کی آنکھوں کے آگے فائق شاہ کا مکروہ چہرہ تھا۔ یونہی پانی کے نیچے کھڑی وہ روتی رہی۔

اسے باہر کا گیٹ زور سے بند ہونے کی آواز آئی تو وہ چونکی۔ نجانے کیوں بے کلی سی بھر گئی تھی اس کے اندر۔ وہ تیزی سے پانی بند کر کے کپڑے پہن باہر نکلی۔ لاؤنج میں جہاں چند گھنٹے پہلے وہ ڈنر کر رہے تھے۔ پلاٹینم اور ایمرلڈ کے خوب صورت بریسلٹ کے نیچے ایک سفید ورق دھرا تھا۔ سیاہ پنسل سے کچھ درج تھا اس پر پاس ہی چائے کے دو کپ ٹھنڈے ہو چکے تھے۔

اس نے تحریر اٹھا کر پڑھنا شروع کی۔

"نوراں!

تم میری طرف سے آزاد ہو۔ تم پر میرا کوئی دین نہیں۔ تمہیں قانونی طور پر بھی آزاد کر دوں گا جلد۔ مگر میری ہر چیز کی مالک ہو۔ میرا گھر تمہارا ہے، پراپرٹی تمہاری ہے۔ چاہو یہاں رہو، یا اسے بیچ ڈالو۔ میں فائق شاہ کا بھائی تمہاری زندگی سے اب جاتا ہوں۔ تمہاری خوشیاں تمہارا ساتھ دیں آمین!"

اس کے کپکپاتے ہاتھوں سے تحریر ٹیبل پر جا گری۔

وہ گیلے بالوں اور گیلی آنکھوں سے مین گیٹ

digest novels lovers group

کی طرف بھاگی وہ ننگے پاؤں سڑک پر تیزی سے چلتی جا رہی تھی۔ اواب شاہ کسی زندہ لاش کی طرح دھیرے دھیرے قدم اٹھا رہا تھا۔

"اواب..... اواب!" یہ کیسی پکار تھی۔ اواب کے قدم رک گئے۔

وہ اس کے روبرو کھڑی تھی۔ گیلے بال، ننگے پاؤں، برستی آنکھیں، دسمبر کی سرد رات، سڑک پر دھند اتر رہی تھی۔ اس کے ہونٹ سردی کی وجہ سے کپکپا رہے تھے یا اندر کی لرزش سے۔

چند لمحے اس کا چہرہ دیکھ کر اواب نے نظریں جھکا لیں اس کی کہی گئی باتیں اس کے کانوں میں گونجنے لگیں۔

وہ پھر سے چلنے کے لیے قدم اٹھانے لگا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" وہ آنسوؤں سے تر حلق سے گویا ہوئی۔

"تمہاری زندگی سے دور۔ تم..... تم میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں نا....." اواب نے رات تکتے ہوئے کہا۔

"نہیں..... نہیں..... میں..... م..... میں..... میں آپ کے قابل نہیں..... شاہ جی!" وہ اس کے سینے سے لگ کے بلک پڑی۔ اواب کا وجود سرد ہونے لگا۔ وہ جیسے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر۔ مگر بس رو رہی تھی۔

"میں..... میں بری ہوں..... گندی ہوں..... داغ زدہ ہوں..... م..... م میں تو..... میں تو آپ کے ملازم کی کمین مرید دین کی بیٹی ہوں شاہ جی..... میں آپ کے قابل نہیں۔ آپ نے دس سال مجھے اپنے برابر لانے میں لگا دیے اور..... اور میں نے دس سال آپ کے برابر آنے میں..... مگر ..... مگر میں اپنی زندگی سے یہ سب نہیں مٹا سکتی۔ میں آپ کے قابل نہیں شاہ جی۔ آپ کو تو اپنے جیسی کسی پاک صاف لڑکی سے شادی کرنی چاہیے۔"

وہ روتی رہی اتنا تو شاید وہ پچھلے گزرے سالوں میں نہ روئی تھی۔ جتنا اب رو رہی تھی۔

وہ اسے بازوؤں کا آسرا دیے فٹ پاتھ پر کھائی پر بیٹھ گیا۔ سڑک سنسان تھی دسمبر کی سرد رات تھی۔ ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔

"مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں۔ مجھے تم ایسے ہی قبول ہو ماہ نور! مجھے تو تم دس سال قبل تو ماں کے روپ میں بھی قبول تھیں۔ ماہ نور میں نے تمہارے واقعوں یا تمہاری کمین باپ سے شادی نہیں کی تھی۔ میں نے تمہاری پاکیزگی تمہاری سادگی تمہارے سہارے کے لیے شادی کی تھی۔ کیا میں نے کبھی اپنے وعدے سے کم کیا تمہارے ساتھ۔"

"نہیں شاہ جی نہیں۔ میں ہی آپ کے قابل نہیں ہوں۔ میں نے سب اس لیے کیا تھا کہ آپ ..... آپ اپنی زندگی بھی اپنی مرضی سے گزار لیں۔ آپ نے اپنی زندگی میں میرے لیے ضائع کر دی۔"

وہ روئے جا رہی تھی۔

"اور وہ جو تم سے محبت ہو گئی ہے۔ اس کا کیا کروں؟" اواب نے اس کے سرد ہاتھوں کو اپنے سینے میں سمو کے گرم کرنا چاہا۔

ماہ نور نے نظریں اٹھائیں۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں ان سے ابھی بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

اواب شاہ نے اس کی سرد پیشانی چوم لی۔ وہ اب اسے مزید رونے نہیں دینا چاہتا تھا۔

☆☆☆

شاہ بنگلے پر ایک بہت یادگار شام تھی۔ آج اواب شاہ ماہ نور کو لیے وہاں آ رہا تھا۔ اور وہ پر امید تھا کہ کل کی نوراں تو شاید شاہ بنگلے کی بہو نہیں بن پائی مگر آج کی ماہ نور کو شاہ بنگلے کا ہر فرد حیرت سے دیکھتا۔

ماہ نور کے اندر قائق شاہ کا خوف ختم ہو چکا تھا۔ اس خوف کی جگہ اواب شاہ کے دیے گئے بے پناہ اعتماد نے لے لی تھی۔ وہ بنگلہ جسے وہ کبھی حیرت سے دیکھتی تھی۔ آج وہ اس بنگلے کی بہو تھی۔ جو قرض تھا وہ اواب شاہ نے گزرے دس سالوں میں اتار دیا تھا۔ ماہ نور کا وجود قدرے پرسکون تھا اور اواب شاہ بھی لوٹ آنے کی خوشی سے سرشار تھا۔

☆☆☆